مرد حضرات کی اصلاح پر بے مثل بیانات کا مجموعہ

مثالی مرد

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ

www.Tasawwuf.org
0300-9652292,03228669680
0335-7873390,03101702690
E-Mail : Alfaqeerfsd@yahoo.com

نام کتاب	—	مثالی مرد
از افادات	—	حضرت مولانا حافظ پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی
پروف ریڈنگ و تخریج	—	دار التصنیف معہد الفقیر الاسلامی جھنگ
اشاعت اول	—	فروری 2017ء
تعداد	—	2200

ناشر

www.Tasawwuf.org
0300-9652292,03228669680
0335-7873390,03101702690
E-Mail : Alfaqeerfsd@yahoo.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین

فہرست مضامین

مثالی بھائی

مثالی خاوند 121

مثالی سسر 151

مثالی داماد 165

مثالی شاگرد 183

فہرست مضامین

پیش لفظ

اسلام نے اپنے پیرو کاروں کو رہبانیت کی تعلیم نہیں دی، یعنی ان کو وصلِ باری تعالیٰ کے حصول کے لیے مخلوقِ خدا سے بالکل منقطع ہو کر جنگلوں اور غاروں میں زندگی گزارنا نہیں سکھایا، بلکہ اس کی تعلیمات تو یہ ہیں کہ تم انہی گلی کوچوں اور بازاروں میں رہتے ہوئے حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کی ادائیگی کا بھی اہتمام کرلو تو تم اپنے رب کو پالو گے۔

''حقوق العباد'' سے کیا مراد ہے؟ دیکھیے! اللہ رب العزت نے انسانوں کے مابین مختلف رشتے بنائے ہیں: بعض رشتے خون کی وجہ سے ہوتے ہیں، مثلاً باپ اور بیٹے کا رشتہ، بہن اور بھائی کا رشتہ...... بعض رشتے ازدواجی زندگی کے نتیجے میں سامنے آتے ہیں، مثلاً خاوند اور بیوی کا رشتہ، سسر اور داماد کا رشتہ...... اور ایک رشتہ علم کی وجہ سے بھی ہوتا ہے، چنانچہ اس رشتے میں منسلک حضرات کو اُستاد اور شاگرد کہا جاتا ہے۔ بنی نوع انسان میں سے ہر شخص مذکورہ بالا رشتوں میں سے کسی نہ کسی رشتے سے ضرور منسلک ہوتا ہے۔ ان رشتہ داروں کے کچھ حقوق انسان پر عائد ہوتے ہیں، وہ ''حقوق العباد'' کہلاتے ہیں۔

سب سے پہلے ہے باپ اور بیٹے کا رشتہ۔ شریعت مطہرہ نے باپ اور بیٹے میں سے ہر ایک کے حقوق دوسرے پر لازم کیے ہیں۔ پھر ایک باپ کی اولاد ہونے کی حیثیت سے بہن بھائیوں کے بھی ایک دوسرے پر حقوق آتے ہیں۔

ازدواجی زندگی کے نتیجے میں جو رشتے وجود میں آتے ہیں، ان میں سے ایک رشتہ خاوند اور بیوی کا ہے، شریعت نے خاوند پر بیوی کے کچھ حقوق لازم کیے ہیں۔ دوسرا رشتہ سسر اور داماد کا ہے، جس طرح سسر کو شریعت نے باپ کا رتبہ دیا ہے اسی طرح داماد کو بھی بیٹے کی مانند قرار دیا ہے اور سسر پر اس کے بھی چند حقوق عائد کیے ہیں۔

تعلیم و تعلّم کا رشتہ بھی بہت سارے حقوق کا متقاضی ہے۔ شاگرد پر اُستاد کے اور اُستاد پر شاگرد کے حقوق بھی شریعت نے متعین فرمائے ہیں۔

مندرجہ بالا مختلف رشتوں کے حوالے سے ہماری بہت ساری ذمہ داریاں ہیں، ان رشتوں کی نزاکتیں ہیں، ان کو نبھانے اور پائیدار بنانے کے بہت سے اصول ہیں، زیرِ نظر کتاب 2015ء زیمبیا میں منعقدہ اعتکاف کے دوران کیے گئے حضرت جی دامت برکاتہم کے بیانات کا مجموعہ ہے جس میں یہ تمام حقوق مکمل تفصیل کے ساتھ، نصوصِ قرآنی، سنت نبوی ﷺ سے ماخوذ نکات، خوبصورت مثالوں، دلچسپ واقعات اور سائنسی تجربات کی روشنی میں عام فہم اور دلچسپ پیرائے میں بیان کر دیے گئے ہیں۔

اللہ رب العزت کی مدد و نصرت سے کمپوزنگ، تخریج، ڈیزائننگ اور پرنٹنگ کے مراحل سے گزر کر پائے تکمیل کو پہنچی ہے اور مکتبۃ الفقیر کی کاوش کے نتیجے میں زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو اُمت کے ہر فرد کے لیے نفع کا باعث بنائے اور ہم سب کو حضرت جی دامت برکاتہم کے فیض سے مستفیض فرمائے۔ آمین ثم آمین!!

اَلرَّاجِیْ اِلٰی عَفْوِ رَبِّهِ الْكَرِيْم

فقیر سیف اللہ احمد نقشبندی مجددی

مثالی باپ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى أَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ﴾ [الکہف:۸۲]

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

((مَا نَحَلَ وَالِدٌ وَلَدًا خَيْرًا لَهُ مِنْ أَدَبٍ حَسَنٍ.)) [سنن البیہقی الکبری، حدیث:۲۳۶۵]

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

دورانِ حمل بیوی کو خوش رکھیں:

عام طور پر مردوں کے ذہن میں یہ بات ہوتی ہے کہ حمل اور بچے کی پیدائش، عورت کا مسئلہ ہے۔ لہٰذا جب بچہ دنیا میں آجاتا ہے تو پھر والد کو اس کی سہولیات اور ضروریات

کے لیے پیسے خرچ کرنے چاہئیں، تاکہ بچے کو سہولت ہو۔ حالانکہ والد کا کردار اس سے کہیں زیادہ ہے۔ فقہاء نے بہت خوبصورت بات لکھی ہے کہ جب کوئی عورت حاملہ ہو تو اس کے خاوند پر ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی بیوی کو خوش رکھے۔ اس لیے کہ بیوی کی طبیعت کا اثر اس کے بچے پر ہوتا ہے۔ اگر ماں خوش رہے گی تو بچے کی پرورش اچھی ہوگی اور اگر ماں غمزدہ رہے گی تو بچے کی پرورش پر اس کا اثر ہوگا۔ کیونکہ بچے کو ماں سے ہی ساری خوراک مل رہی ہوتی ہے۔

حمل کے دوران باپ کی ذمہ داریاں:

ہارورڈ یونیورسٹی کی جدید تحقیق ہے:

Father's role during pregnancy.

''حمل کے دوران باپ کی ذمہ داریاں۔''

اس میں چند اہم باتیں ہیں جو آپ نے شاید پہلے نہیں سنی ہوں گی۔

.....پہلی بات ہے:

Keep your wife happy.

''حمل کے دوران حتی الوسع اپنی بیوی کو خوش رکھیے۔''

اس لیے کہ اب وہ آپ کے بچے کی ماں بن رہی ہے۔ جب عورت حاملہ ہوتی ہے تو اس کے جسم میں ہارمونز کی بہت ساری تبدیلیاں ہو رہی ہوتی ہیں۔ چنانچہ H C G hormones (ایچ۔سی۔جی ہارمونز) بھی اس کے جسم میں بن رہے ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے عورت کو تھکاوٹ اور Morning sickness (صبح کے وقت اُلٹی اور متلی) محسوس ہوتی ہے۔ پھر اس کے جسم میں Progesterone (پروجیسٹرون) بھی بن رہا

ہوتا ہے، جس کی وجہ سے اس کا معدہ بھی خراب رہتا ہے۔ سینے میں درد محسوس ہوتی ہے، ٹانگوں میں درد اور پیٹ پھولنے کی شکایت رہتی ہے۔ یوں سمجھیں کہ حاملہ عورت اصل میں ایک بیمار عورت ہوتی ہے گو کہ وہ آپ کو صحت مند اور Fresh نظر آئے گی، مگر اس کے جسم میں یہ سب کچھ ہو رہا ہوتا ہے۔ جوان بچیاں اس کو برداشت کرتی ہیں اور اپنے روزمرہ کے کام کرتی رہتی ہیں، مگر کئی عورتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جن کو اتنی مشکل پیش آتی ہے کہ وہ بیچاریاں بستر پر ہی لیٹ جاتی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جب بچے کی ولادت ہونے لگتی ہے تو اس کا ماں کے اوپر بہت زیادہ اثر ہوتا ہے۔ پھر اس کے اندر Estrogen (ایسٹروجن) پیدا ہوتا ہے، جس کی وجہ سے مزاج میں بہت تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں۔ یہ ایسا ہارمون ہے کہ جس کی وجہ سے تھوڑی دیر میں موڈ بدلتا رہتا ہے، ابھی خوش تھی اور ابھی غمزدہ ہے، ابھی بہت محبت پیار کے موڈ میں تھی اور ابھی لڑائی کرنے کے موڈ میں ہے۔ حمل کے دوران عورت بہت مجبور ہوتی ہے، مگر اس کا اس میں کوئی قصور نہیں ہوتا۔ مرد عورت کو الزام دیتے ہیں کہ تمہیں تو بات سمجھ ہی نہیں آتی، تم تو ہر وقت ٹرٹر کرتی رہتی ہو، بولتی رہتی ہو، وہ ان سے بُرا رویہ رکھتے ہیں، حالانکہ یہ ہارمونز کی تبدیلیاں ہوتی ہیں۔ عورت اس وقت شفقت کی محتاج ہوتی ہے، لہٰذا اس کے ساتھ ایسے ہی شفقت کا برتاؤ کرنا چاہیے جیسے کسی بیمار بندے سے کیا جاتا ہے۔ خاوند کو چاہیے کہ دل بڑا کرے اور اس کیفیت میں اس کو مزید پریشان نہ کرے۔

.....دوسرا پوائنٹ ہے:

Be present for the wife physically and emotionally.

"حمل کے دوران خاوند کو چاہیے کہ بیوی کے پاس موجود رہے، اس کو جذباتی سہارا دے۔"

ہارورڈ یونیورسٹی کی ریسرچ میں یہ نتیجہ نکلا کہ جو خاوند حمل کے دوران اپنی بیوی کے ساتھ خوش رہے تو اس کی وجہ سے قبل از وقت بچہ پیدا ہونے کے امکانات کم ہو جاتے ہیں، حمل کے دوران بلڈ پریشر بڑھنے کا خطرہ بھی کم ہوتا ہے۔ اور ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ جو مائیں حمل کے دوران خوش رہیں، ان کے بچے پہلے سال میں نہیں مرتے۔ اکثر وہ بچے پہلے سال مرتے ہیں، جن کی مائیں حمل کے دوران پریشان رہتی ہیں۔

......تیسرا پوائنٹ ہے:

Keep your wife active during the last trimester.

"حمل کے آخری تین مہینوں میں عورت کو چاق و چوبند رہنا چاہیے۔"

اس وقت بچے کا Size (جسامت) بھی کافی ہو چکا ہوتا ہے اس لیے حرکت کرنا کافی مشکل ہو جاتا ہے، درد بھی ہوتی ہے، عورت اگر کام کرتی رہے اور چلتی جلتی رہے تو اس سے پھر نارمل بچہ پیدا ہونے کے امکانات زیادہ ہو جاتے ہیں۔ مرد کو چاہیے کہ وہ مختصر اور سادہ کھانا بنانا سیکھ لے۔ اس لیے کہ عورت اگر حمل سے ہے تو شاید کبھی وہ کھانا نہ پکا سکے۔ لہٰذا ایسے وقت میں انڈے بنا لینا یا کوئی ایسی چیز جس کو کھا کر انسان اپنا وقت گزار لے اور باہر کے کھانوں کی ضرورت نہ پڑے، ایک اچھی بات ہے۔

......خاوند کی ایک ذمہ داری یہ بھی ہے کہ جب عورت حمل سے ہو تو اس کے لیے اور ہونے والے بچے کے لیے اللہ سے دعا مانگے۔ انبیائے کرام علیہم السلام نے بھی اپنے ہونے والے بچوں کے لیے دعائیں مانگی ہیں، جو قرآنِ مجید میں منقول ہیں۔

......آج کل چونکہ مشینی دور ہے اور الٹرا ساؤنڈ ٹیکنالوجی کافی ترقی کر چکی ہے، اس لیے

کافی پہلے ہی بچے کی جنس کا پتا چل جاتا ہے، لہٰذا اگر یہ پتا چل جائے کہ یہ لڑکی ہے یا لڑکا ہے تو اس کے حساب سے جو چیزیں خریدنی ہوتی ہیں، وہ پہلے سے خرید لینا اچھی بات ہے۔ یہ وہ کام ہیں، جو بچے کی ولادت سے پہلے کرنے پڑتے ہیں۔

......اس کیفیت میں عورت کو تعاون اور محبت چاہیے ہوتا ہے۔ لہٰذا عورت کو مکمل تحفظ دینا چاہیے، تا کہ اس کو ذہنی طور پر اطمینان ہو کہ میرا شوہر میرے ساتھ ہے اور حمل کے دوران کوئی بھی مشکل ہوگی تو اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوگی۔

......دردِ زِہ کی تکلیفیں بہت زیادہ سخت ہوتی ہیں۔ اس وقت عورت کو یوں محسوس ہوتا ہے کہ شاید میری جان ہی نکل جائے گی۔ وہ درد برداشت کرنا اس کے لیے بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ایسے وقت میں خاوند کا اس کو تسلی دینا اور اچھے بول بولنا، اس کے لیے سکون کا باعث بنتا ہے۔ قرآنِ مجید میں بی بی مریم علیہا السلام کے بچے کی ولادت کا واقعہ ہے کہ ان کو جب دردِ زِہ ہو رہی تھی تو ان کی Pain (تکلیف) کی یہ کیفیت تھی کہ وہ کہنے لگیں:

﴿يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا﴾ [مریم: ۲۳]

''کاش کہ میں اس سے پہلے ہی مرگئی ہوتی، اور مر کر بھولی بسری ہو جاتی۔''

اس Depression (ڈپریشن) سے باہر نکلنے کا طریقہ عجیب انداز میں بتلایا گیا۔ ربّ کریم نے ان کو بتایا کہ آپ کے قریب جو کھجور کا درخت ہے، آپ اس کو ہلایئے اور اس میں سے جو کھجوریں گریں گی، وہ آپ کھایئے، پانی پیجیے اور اپنے بچے سے محبت کا اظہار کیجیے اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی رکھیے۔

قرآنِ پاک نے تین کام بتائے ہیں۔ بچے کی ولادت کا وقت قریب ہو تو لوگ کہتے ہیں کہ گھی پی لو یا فلاں چیز پی لو۔ تا کہ بچے کی ولادت آسان ہو جائے، مگر شریعت کہتی

ہے کہ کھجوریں کھاؤ۔ آج سائنس نے اس بات کو ریسرچ سے ثابت کر دیا کہ قرآنِ پاک میں جو پندرہ سو سال پہلے کہا گیا تھا، وہ سو فیصد درست تھا۔ اس لیے کہ اس وقت عورت Depression (ڈپریشن) میں ہوتی ہے اور اس سے نکلنے کے لیے اس کے دماغ کو خوراک چاہیے ہوتی ہے۔ دماغ کی خوراک Protein (پروٹین) یا کوئی اور چیز نہیں، بلکہ شوگر (کاربوہائیڈریٹ) ہے اور یہی کاربوہائیڈریٹ کھجوروں کے اندر موجود ہوتا ہے۔ یہی تو وجہ ہے کہ جب بی بی مریم علیہا السلام نے کھجوریں کھائیں تو وہ پوری کی پوری غذا اُن کے دماغ کو ملی، جس سے دماغی تناؤ کم ہوا اور بچہ آسانی سے ہو گیا۔ لہٰذا اس وقت میں میٹھی چیز کا کھانا ولادت میں سہولت کا سبب بنتا ہے۔

ہوسکتا ہے ایک درد کا بدلہ تم نے چکا دیا ہو:

ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے اپنی والدہ کو حج کروایا، اس زمانے میں مطاف کے اندر کوئی ایسا خاص ماربل نہیں تھا، بلکہ بہت گرم ہونے والا ماربل تھا اور ان کے پاس جوتے بھی نہیں تھے۔ وہ فرماتے ہیں: میں نے اپنی والدہ کو اپنی کمر کے اوپر اُٹھایا اور اس حال میں طواف کیا کہ میرے پاؤں جل رہے تھے۔ حتیٰ کہ اتنا جلنے کی کیفیت ہوئی کہ چھالے پڑ گئے۔ تو وہ نبی علیہ السلام کے پاس آئے اور کہنے لگے: اے اللہ کے حبیب! میں نے اپنی والدہ کو اس طرح حج کروایا ہے اور طواف ایسے کروایا کہ میرے پاؤں جل رہے تھے۔ کیا میں نے اپنی والدہ کا حق ادا کر دیا؟ نبی علیہ السلام نے فرمایا: ہاں! جب تم والدہ کے پیٹ میں تھے اور تمہاری ولادت ہونے کا وقت قریب تھا تو اس وقت تمہاری والدہ کو جو درد محسوس ہوئی تھی، جس کو دردِ زہ کہتے ہیں تو جو ایک مرتبہ کوئی درد اُٹھی تھی، ہوسکتا ہے کہ اس

ایک درد کا بدلہ تم نے چکا دیا ہو۔

والدہ کے اوپر اس وقت کیا کیفیت ہوتی ہے؟ یہ تو ماں ہی جانتی ہے۔ بچے کی ولادت کے وقت کچھ بھی اس کے اختیار میں نہیں ہوتا۔ اسی لیے اس کو اس وقت ہمدردی کی ضرورت ہوتی ہے۔ مردوں کو تو اندازہ ہی نہیں ہوتا کہ عورت کے ساتھ کیا گزرتی ہے؟ لہٰذا ایسے وقت میں غصہ کرنا اور چھوٹی سی بات پہ بگڑ جانا بیوقوفی کی علامت ہے۔ عقل کو اس طرح اپنے سے دور نہیں ہونے دینا چاہیے۔ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو چھوٹی چھوٹی بات پر اپنی عقل کو چھٹی دے دیتے ہیں۔ بعض لوگوں کے پاس تو عقل ہوتی ہی نہیں، مگر جن کے پاس ہے وہ تو اس کو سنبھال کے رکھیں۔

عقل نہ ہو تو پھر موجیں ہی موجیں:

ایک سکھ صاحب اپنی بیوی کو موٹر سائیکل کے پیچھے بٹھا کر تیزی سے موٹر سائیکل چلاتے ہوئے جا رہے تھے کہ راستے میں ایک دوست سے ملاقات ہوگئی۔ سلام دعا کے لیے رُکے تو اس نے پوچھا: کہاں جا رہے ہو؟ سکھ صاحب نے کہا: میں pizza hut (پیزا ہٹ) جا رہا ہوں۔ اس نے پوچھا: وہاں کس لیے جا رہے ہو؟ کہنے لگا: اس لیے کہ میری بیوی کو اس وقت دردِ زِہ ہو رہی ہے۔ دوست نے حیران ہو کر کہا: بیوی کو دردیں ہو رہی ہیں اور تم پیزا ہٹ جا رہے ہو؟ کہتا ہے: ہاں! وہاں انہوں نے لکھ کر لگایا ہوا تھا۔ Delivery Free ''ڈلیوری فری''

تو کئی لوگ عقل سے ہی فارغ ہوتے ہیں، مگر جن کو اللہ عطا کریں وہ اسے ایسے موقعوں پر رخصت نہ ہونے دیں۔

بچے کی پیدائش کے بعد باپ کی ذمہ داریاں:

جب بچہ پیدا ہوجاتا ہے تو اس کے پہلے چھ ہفتے (پہلا چلّہ) والدہ کے لیے بڑا اہم ہوتا ہے۔ ان پہلے چھ ہفتوں میں خاوند کو چاہیے کہ اپنی بیوی کو مکمل طور پر سہارا دے۔ اگر میاں بیوی دونوں اکیلے ہیں، قریب کوئی اور رشتہ دار (بہن یا ماں وغیرہ) نہیں تو پھر خاوند کو چاہیے کہ وہ اپنے دفتر سے ڈیڑھ مہینے کی چھٹی لے لے۔ کام کی مصروفیات سے اپنے آپ کو الگ کر لے۔ اس لیے کہ اکثر عورتوں کو post birth depression (بچے کی ولادت کے بعد ڈپریشن) ہوتا ہے۔ یعنی جیسے حمل کے دوران جسمانی تبدیلیاں ہوتی ہیں، اسی طرح جب بچے کی ولادت ہوجاتی ہے تب بھی جسم میں تبدیلیاں آتی ہیں، ان تبدیلیوں کی وجہ سے عورت ڈپریشن کا شکار ہوجاتی ہے۔ ولادت کے بعد ہونے والا یہ ڈپریشن بہت عام ہے۔ ریسرچ بتاتی ہے کہ اس میں عورت کا یہ حال ہوتا ہے کہ اس کا دل چاہتا ہے کہ میں اپنے بچے کو قتل ہی کر دوں۔ ہم نے پہلے یہ چیز کتابوں میں پڑھی تھی۔ پھر بعد میں ایک عالمہ لڑکی کے ہاں بچی کی ولادت ہوئی تو وہ مجھ سے یہ بات فون پہ پوچھا کرتی تھی کہ حضرت! میری ایسی کیفیت ہے کہ بچی تھوڑا سا روتی ہے تو میرا دل چاہتا ہے کہ میں اس کو مار دوں۔ اس سے مجھے اندازہ ہوا کہ واقعی عورت کے اندر یہ ڈپریشن اتنا شدید بھی ہوسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی شان دیکھیں کہ بچے کی پیدائش کے بعد باپ کے اندر Prolactin (ہارمون) کا تناسب زیادہ ہوجاتا ہے اور یہ ہارمون جب زیادہ ہوتا ہے تو بندے کے اندر ایک دوسرے کے ساتھ تعلق جوڑنے کی بہت چاہت ہوتی ہے۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ

نے باپ کے اندر اس ہارمون کو بڑھا دیا، تا کہ وہ اپنے بچے اور بیوی دونوں سے اپنا تعلق جوڑے اور اس کے اندر جڑنے کا احساس پیدا ہو جائے۔ اسی طرح جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو مرد کے اندر Testosterone (ٹیسٹوسٹیرون) ہارمون کا تناسب کم ہو جاتا ہے۔ اس ہارمون کے کم ہونے سے بیوی کے ساتھ صحبت کرنے کی خواہش ختم ہو جاتی ہے۔ یعنی اس کے لیے صحبت کے بغیر صبر سے رہنا آسان ہو جاتا ہے۔ یہ وہ تبدیلیاں ہیں جو قدرت کی طرف سے ہوتی ہیں، تا کہ آنے والے بچے کے ساتھ ماں باپ کا وقت گزارنا آسان ہو جائے۔

❁...... پھر خاوند کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ مہمانوں کے آنے جانے کو وہ خود کنٹرول کرے۔ اس لیے کہ ملنے والے دوست احباب اور رشتہ دار وقت بے وقت آتے رہتے ہیں، عورت چونکہ بچے کے ساتھ مصروف ہوتی ہے لہٰذا وہ ان کو کچھ نہیں کہہ سکتی۔ ایسا نہ ہو کہ بیوی سوئی ہوئی ہو اور آنے والے اس کو جگا دیں اور اُلٹا اس کے لیے پریشانی کا سبب بنیں۔

اہل وعیال کے ساتھ مہربانی اور شفقت:

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((مَا رَأَيْتُ أَحَدًا كَانَ أَرْحَمَ بِالْعِيَالِ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.))

[صحیح مسلم،حدیث:۶۱۶۸]

''میں نے نبی علیہ السلام سے زیادہ اپنے اہل واعیال پہ مہربان کسی اور کو نہیں دیکھا۔''

تو واقعی جب اللہ تعالیٰ کسی آدمی کو باپ بننے کا شرف عطا کرے تو وہ اپنی بیوی بچوں پر اور زیادہ مہربانی کا معاملہ کرے۔

جو رحم نہیں کرتا، اس پر رحم نہیں کیا جاتا:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

((قَبَّلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ وَعِنْدَهُ الْأَقْرَعُ بْنُ حَابِسٍ التَّمِيمِيُّ جَالِسًا فَقَالَ الْأَقْرَعُ إِنَّ لِي عَشَرَةً مِنَ الْوَلَدِ مَا قَبَّلْتُ مِنْهُمْ أَحَدًا فَنَظَرَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ مَنْ لَا يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ.))

[صحیح بخاری، حدیث:۵۹۹۷]

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا بوسہ لیا اور آپ کے پاس اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے کہا: میرے تو دس بچے ہیں، میں نے کبھی ان کا بوسہ نہیں لیا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف دیکھا اور پھر فرمایا: جو شخص رحم نہیں کرتا، اس پر بھی رحم نہیں کیا جاتا۔''

یعنی اگر تم بچوں پر رحم نہیں کرو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر رحم نہیں فرمائیں گے۔

نبی علیہ السلام کی بچوں پر مہربانی کا عالم!!

((عَنْ أَبِي قَتَادَةَ الْأَنْصَارِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي وَهُوَ حَامِلٌ أُمَامَةَ بِنْتَ زَيْنَبَ بِنْتِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلِأَبِي الْعَاصِ بْنِ رَبِيعَةَ بْنِ عَبْدِ شَمْسٍ فَإِذَا سَجَدَ وَضَعَهَا وَإِذَا قَامَ حَمَلَهَا.))

[صحیح بخاری، حدیث:۵۱۶]

''حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تھے اور آپ اسی حالت میں زینب بنت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ابو العاص بن ربیعہ بن عبد الشمس کی بیٹی اُمامہ رضی اللہ عنہا کو اُٹھائے ہوئے تھے، جب سجدہ کرتے تو ان کو اُتار دیتے اور جب سجدہ کر کے

کھڑے ہوتے تو ان کو اٹھا لیتے تھے۔"

اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز اس طرح ادا کی کہ ایک چھوٹی بچی کو بھی ساتھ اُٹھایا اور اس کو بھی محبت دی۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ نبی علیہ السلام بچوں پر کتنے مہربان تھے۔

اہل وعیال کی تکلیف کا احساس:

حدیث پاک میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

((إِنِّي لَأَقُومُ فِي الصَّلَاةِ أُرِيدُ أَنْ أُطَوِّلَ فِيهَا فَأَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ فَأَتَجَوَّزُ فِي صَلَاتِي كَرَاهِيَةَ أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمِّهِ.)) [صحیح بخاری، حدیث:۷۰۷]

"میں نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ اس میں طول دوں، مگر بچے کے رونے کی آواز سن کر میں اپنی نماز میں تخفیف کر دیتا ہوں، اس بات کو بُرا سمجھ کر کہ اس کی ماں پر سختی کروں۔"

یعنی اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وجہ سے نماز کو مختصر کر دیا کرتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ بچے کے رونے کی وجہ سے اس کی ماں کو تکلیف ہو اور وہ پریشان ہو جائے۔ اسی کو سامنے رکھتے ہوئے ہمیں چاہیے کہ اپنے گھر کے لوگوں کی تکلیف کا احساس کریں۔ ایسا رویہ نہ ہو کہ جیسے ہمارا تو کسی سے کوئی واسطہ ہی نہیں ہے۔

بہترین سواری پر بہترین سوار!!!

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

((كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَامِلَ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ عَلَى عَاتِقِهِ فَقَالَ رَجُلٌ نِعْمَ الْمَرْكَبُ رَكِبْتَ يَا غُلَامُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنِعْمَ الرَّاكِبُ هُوَ.)) [جامع ترمذی، حدیث:۳۷۸۴]

''ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو کندھے پر بٹھائے ہوئے تھے کہ ایک شخص نے کہا: اے لڑکے! تم کتنی بہترین سواری پر سوار ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: سوار بھی تو بہترین ہے۔''

پدر باپ کا پیار:

ہارورڈ یونیورسٹی کی ایک نئی ریسرچ شائع ہوئی ہے جس میں انہوں نے ہزاروں بچوں پہ ریسرچ کی۔ یہ ریسرچ دو چار دن کی نہیں تھی، بلکہ تیس سال تک یہ ریسرچ جاری رہی۔ اس ریسرچ کے چند نکات یہ ہیں:

٭......جو باپ بچوں کو پیار کرتے ہیں، ان بچوں کے اندر سے شدت پسندی ختم ہو جاتی ہے اور وہ غصیلی طبیعت کے نہیں بنتے۔ اس لیے کہ ان کے والدان کو گلے لگاتے ہیں اور پیار کرتے ہیں، جس سے ان کو محبت ملتی ہے۔ یہ محبت پھر ان کے اندر بھر جاتی ہے، لہٰذا ایسے بچے بھی پھر محبت کرنے والے مزاج کے بچے بن جاتے ہیں۔

٭......جو بچے پرورش کے دوران اپنے باپ کی محبت پاتے ہیں، ان کی کامیابی کے امکانات دوسرے بچوں سے (60) ساٹھ فیصد زیادہ ہو جاتے ہیں۔

٭......اسی طرح اپنی پرورش کے دوران باپ کی محبت پانے والے بچوں کو تیس پینتیس سال کی عمر میں ڈپریشن نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ تیس پینتیس سال کی عمر ایک نوجوان کے لیے کاروباری عمر ہوتی ہے اور وہ دفتر میں کسی اہم عہدے پر ہوتا ہے اور اگر وہ اپنا کاروبار کرے تو اس میں بھی اس کا اہم منصب ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تیس پینتیس سال کی عمر کے لوگوں پہ پریشانیاں بہت زیادہ ہوتی ہیں، لیکن ان مشکلات کو وہ بچہ برداشت کر جاتا ہے جس کو اپنے باپ کی محبت ملی ہو۔ بہت سارے لوگ جن کو محبت نہ ملی ہو، وہ زندگی کے اس دور میں ڈپریشن

کا شکار ہونے کی وجہ سے اپنے کاموں کے اندر نا کام ہوتے ہیں۔

٭.....جو بچے Teenager (نوجوانی کی عمر کے) ہو کر بھی باپ کی محبت پاتے ہیں، یعنی تیرہ سے انیس سال کی عمر میں بھی ان کو باپ کا قرب ملتا ہے تو ایسے بچے منشیات کا استعمال کم کرتے ہیں اور جنسی شہوتوں سے بھی بچے رہتے ہیں۔ کیونکہ ان کو باپ کی محبت مل رہی ہوتی ہے۔ جب ان کو باپ کی محبت نہیں ملتی تب وہ اس قسم کے خراب کام کرتے ہیں۔

٭.....اسی طرح جن بچوں کو پرورش کے دوران باپ کی محبت نہیں ملتی، ان کے اسکول سے بھاگنے کی شرح زیادہ ہوتی ہے۔ یعنی وہ اسکول سے پڑھائی چھوڑ دیتے ہیں اور آگے نہیں بڑھ پاتے۔ کوئی دسویں میں نکل جاتا ہے، کوئی بارہویں میں نکل جاتا ہے۔ ایسے بچے تعلیم یافتہ نہیں بنتے کیونکہ ان کو باپ کی محبت نہیں ملی ہوتی۔

٭.....Rehabilitation center (بحالی صحت کے مرکز) میں آنے والے بچوں پر ایک لمبا عرصہ ریسرچ کی گئی تو پتا چلا کہ (75) پچہتر فیصد بچے وہ ہوتے ہیں جن کو پرورش کے دوران باپ کی محبت نہیں ملی ہوتی، جس کی وجہ سے وہ Drugs (نشہ آور چیزیں) لیتے ہیں، نشہ کرتے ہیں اور بُری عادتوں کا شکار ہو جاتے ہیں اور پھر ان کو دوبارہ ٹھیک کرنے کے لیے ایسی جگہوں پہ بھیجنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔

٭.....مختلف ہسپتالوں کی رپورٹ کے مطابق جو لڑکیاں بغیر باپ کے پلتی ہیں یا جن کو باپ کی محبت اور شفقت نہیں ملتی۔ ان میں سے اکثر پندرہ سے انیس سال کی عمر میں حاملہ ہو جاتی ہیں۔ یعنی شادی سے پہلے ہی مائیں بن جاتی ہیں۔ یہ مغربی معاشرے کی ریسرچ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر بچی کو باپ کی شفقت ملے تو وہ کبھی بھی کوئی غیر اخلاقی قدم نہیں اُٹھائے گی اور نہ ہی اپنے ماں باپ کو کبھی مایوس کرے گی۔

ادب کی تعلیم:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

((مَا نَحَلَ وَالِدٌ وَلَدًا خَيْرًا لَهُ مِنْ أَدَبٍ حَسَنٍ.)) [سنن البیہقی الکبری، حدیث:۲۳۶۵]

''وراثت میں باپ اولاد کے لیے ادب سے بہتر کوئی چیز نہیں چھوڑ سکتا۔''

تو اپنی اولاد کو دین اور ادب سکھانا چاہیے۔ یہ ادب ماں باپ مل کر ہی اپنی اولاد کو سکھا سکتے ہیں۔ بچوں کے اندر بدتمیزی ایک دن میں پیدا نہیں ہوتی، بلکہ یہ آہستہ آہستہ بڑھتی ہے۔لہٰذا ماں باپ کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ بچے کے اندر بے ادبی کے جراثیم کو بہت جلدی پکڑ لیں۔ جیسے ہی دیکھیں کہ بچہ بدتمیزی کر رہا ہے تو اس پہ اس کو جلدی سکھانا چاہیے، تاکہ اس کے اندر بدتمیزی کا عنصر پیدا ہی نہ ہو۔

ایک غلط سوچ کی اصلاح:

ہمارے معاشرے میں ایک سوچ ہے کہ ابھی تو بچہ ہے کچھ نہ کہو، بڑے ہو کر خود ہی ٹھیک ہو جائے گا، یہ بہت ہی غلط سوچ ہے۔اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کوئی ٹیڑھی دیوار بن رہی ہو تو بندہ کہے کہ کوئی بات نہیں، اونچی ہو گی تو خود ہی سیدھی ہو جائے گی۔ بچے کا بھی یہی معاملہ ہے کہ اگر شروع سے ٹیڑھا پن آ گیا تو یہ بڑھتا جائے گا۔اکثر بچوں کے بگڑنے کا سبب یا تو ماں باپ کے درمیان کی لڑائیاں ہوتی ہیں کہ ان کی ایک دوسرے کے ساتھ ہر وقت تکرار ہوتی رہتی ہے یا ایک دوسرے کے ساتھ موڈ بنے رہتے ہیں تو سیدھے منہ بات ہی نہیں کرتے جس کے اثرات بچے پہ پڑ رہے ہوتے ہیں۔عجیب بات ہے کہ غلطی ماں باپ کی ہوتی ہے اور اثرات چھوٹے بچے پہ پڑتے ہیں۔ اگر ماں باپ دونوں اُلفت اور محبت والی زندگی

گزاریں گے تو یہ دیکھ کر ان کے بچے نیک بنیں گے اور ادب سیکھیں گے۔

چھوٹے بچے کو Magic words (جادو والے الفاظ) ضرور سکھانے چاہییں۔ جیسے Please (برائے مہربانی)، Excuse me (مجھے معاف کیجیے، معذرت)، Thank you (شکریہ)، جزاک اللہ یا شکریہ کے الفاظ کا استعمال سکھانا چاہیے۔ کیونکہ یہ جادو کی طرح اثر رکھنے والے الفاظ ہیں جو دوسرے بندے کے ساتھ محبت بڑھاتے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں یہ کوتاہی ہے کہ عورتیں بچوں کو یہ الفاظ نہیں سکھاتیں، جبکہ کفر کے ماحول میں یہ الفاظ بہت زیادہ سکھائے جاتے ہیں۔

بچوں کو شکریہ ادا کرنا سکھائیں:

ایک مرتبہ مجھے پیرس سے نیویارک جانا تھا تو میری ساتھ والی سیٹ پر ایک امریکن لڑکی آکر بیٹھی، جس کے ساتھ اس کی تقریباً دو سالہ بیٹی بھی تھی۔ میں اپنی کتاب پڑھ رہا تھا اور وہ ساتھ والی سیٹ پر بیٹھی تھی۔ تھوڑی دیر بعد ایئر ہوسٹس نے کھانا لگایا تو اس لڑکی نے بھی کھانا لگوالیا۔ میں نے کھانا کھانے سے معذرت کر لی اور کتاب ہی پڑھتا رہا، مگر میں نے اس دوران دیکھا کہ ماں اپنی بچی کو ایک چمچ چاول کھلاتی ہے اور اس کے منہ میں چاول ڈالنے کے بعد اس کو کہتی ہے: Say thank you (آپ میرا شکریہ ادا کریں۔) تو ماں کے کہنے پر دو سال کی چھوٹی سی بچی کہتی ہے: Mom! thank you (امی! آپ کا شکریہ) پھر اس کے بعد جب دوبارہ ماں نے اس کے منہ میں لقمہ ڈالا تو دوسرے لقمے پہ پھر انگریزی میں اسے کہا: آپ میرا شکریہ ادا کریں۔ یوں ہر ہر لقمے پر وہ بچی اس کا شکریہ ادا کرنے لگی۔ میں حیران تھا کہ دیکھو! ہر ہر لقمہ پہ یہ اس بچی کو شکریہ کا لفظ سکھا رہی ہے۔ اسی دوران ماں نے جب چمچ میں چاول ڈالے تو تھوڑے سے چاول اس کے کپڑوں پہ گر گئے۔ بچی نے ماں کے کپڑوں کی

طرف اشارہ کیا کہ آپ کے کپڑوں پہ چاول گر گئے ہیں تو ماں نے ان چاولوں کو ٹشو پیپر سے صاف کیا اور پھر ماں نے بھی بچی کو Thank you کہا۔ مجھے تعجب ہوا کہ شکریہ ادا کرنا تو ہماری شریعت تھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰي وَالِدَيَّ﴾ [الاحقاف:۱۵]

''میں آپ کی اس نعمت کا شکر ادا کروں جو آپ نے مجھے اور میرے ماں باپ کو عطا فرمائی۔''

حدیث پاک میں ہے:

((مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰهَ.)) [جامع ترمذی، حدیث:۱۹۵۵]

''جو انسانوں کا شکر ادا نہیں کرتا، وہ اللہ کا شکر بھی ادا نہیں کرتا۔''

یہ تو ہمارا کام تھا، مگر ہم اپنے بچوں کو شکریہ ادا کرنا نہیں سکھاتے اور کافر لوگوں نے اس کو اچھی چیز سمجھ کر اپنے بچوں کو سکھانا شروع کر دیا۔ میرا اندازہ تھا کہ ایک کھانے کے دوران اس امریکن لڑکی نے اس بچی سے چھتیس مرتبہ شکریہ کا لفظ کہلوایا۔ کیا آپ نے کوئی مسلمان ماں ایسی دیکھی ہے جو ایک کھانے کے دوران اپنے بچے سے چھتیس مرتبہ شکریہ کا لفظ کہلوائے؟ چھتیس مرتبہ تو دور کی بات ہے ایک دفعہ بھی شاید نہ کہلواتی ہو۔ اسی وجہ سے ہمارے بچوں کے اندر شکریہ ادا کرنے کی عادت ہی پیدا نہیں ہوتی۔

تربیت کا فقدان:

ورجینیا میں ہمارا ایک مدرسہ تھا۔ جس میں تقریباً پچاس ساٹھ بچے تھے۔ میرے پاس کچھ Sweets (ٹافیاں) تھیں، لہٰذا میں نے ان سب بچوں سے کہا: آپ لائن بنالیں، میں آپ لوگوں کو ایک ایک Sweet (ٹافی) دوں گا۔ بچے بڑے خوش ہوگئے۔ چنانچہ میں نے ان سب کو وہ میٹھی چیز دی جس کو وہ بہت پسند کرتے تھے۔ ان

ساٹھ بچوں میں سے صرف چار بچے ایسے تھے جنہوں نے مجھ سے Sweet لینے کے بعد شکریہ کہا۔ باقی کسی نے کوئی ایک لفظ بھی نہیں بولا۔

اس سے میں نے اندازہ لگایا کہ مسلمان لوگوں کے گھروں میں عورتوں کی تربیت کا حال بہت ہی بُرا ہے۔ کیونکہ ہم اپنے بچوں کو آداب سکھاتے ہی نہیں ہیں۔ لہٰذا ایسے الفاظ بچے کو خوب سکھانے چاہییں۔

سوئی چبھونے سے پہلے معذرت!!

ایک دفعہ تو میں حیران ہی ہوگیا۔ ہوا یوں کہ میں آسٹریلیا میں تھا اور مجھے اپنا خون ٹیسٹ کے لیے دینا تھا۔ ہمارے ایک جاننے والے Heart Surgeon (دل کے ڈاکٹر) تھے جو ہمیں اپنے وارڈ میں لے گئے اور کہنے لگے: حضرت! میں آپ کا خون لے کر اس کا ٹیسٹ کروالوں گا۔ میں نے کہا: بہت اچھا۔ مگر میں نے ان کو یہ بھی بتایا کہ چونکہ میری رگیں اتنی واضح نہیں ہیں کہ ان سے آسانی سے خون نکل سکے، اس لیے تجربہ کار بندہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ عام ڈاکٹر اگر نکالنا چاہے تو وہ تین چار دفعہ کوشش کرنے کے بعد خون نکالتا ہے۔ اس نے کہا: کوئی مسئلہ نہیں، ہم کرلیں گے۔ چنانچہ اس نے دو دفعہ سوئی سے خون نکالنے کی کوشش کی، مگر کوشش کے باوجود اس سے خون نہیں نکل سکا۔ لہٰذا وہ ایک آسٹریلین ڈاکٹر کو بلا کر لے آیا اور کہنے لگا: اس مریض کا خون لینا ہے، آپ Please (برائے مہربانی) میری مدد کردیں۔ وہ آسٹریلین ڈاکٹر جب آیا تو اس نے آکر مجھ سے پوچھا: آپ کو پہلے کتنی دفعہ سوئی چبھی ہے؟ میں نے کہا: دو دفعہ۔ یہ سن کر وہ مجھے کہنے لگا: Sorry (معذرت)۔ ابھی اس نے انجیکشن نہیں لگایا تھا، مگر پھر بھی یہ سن کر کہ دو دفعہ خون نکالنے کی کوشش کی جا چکی ہے، وہ مجھ سے معذرت کر رہا ہے۔ میں حیران ہوا کہ یہ بندہ

کافر ہے، مگراس کے اندر کتنی اچھی عادت ہے کہ اس کو دوسرے کی تکلیف کا احساس ہے۔
پھراس کے بعد اس نے میرا بازو پکڑا اور میری رگوں کو دیکھا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ
مجھ سے معذرت کر رہا تھا۔ خون لینے کے دوران اس نے تقریباً گیارہ مرتبہ مجھے Sorry
(معذرت) کا لفظ کہا۔ میں اس وقت خواہش کر رہا تھا کہ کاش! میرے اندر بھی یہ عادت
ہوتی کہ میں بھی اپنی غلطیوں پہ ایسے ہی معذرت کرتا۔

اگر ایک کافر کے اندر Sorry (معذرت) کرنے کی اتنی عادت ہے تو ہم مسلمانوں
کے اندر کیوں نہیں ہے؟ حالانکہ یہ خوبیاں تو ہمارے اندر ہونی چاہیے تھیں، مگر یہ سب
تربیت کی کمی اور کوتاہی کی وجہ سے ہے۔

غصے اور ڈانٹ ڈپٹ سے گریز:

ایک بڑا اہم نکتہ یہ ہے کہ جب ہم بچے کی غلطی کی نشاندہی کر رہے ہوتے ہیں تو اس وقت
اچھے طریقے سے اس کو بتانا بہت اہم ہوتا ہے۔ ہم غصہ میں بتاتے ہیں جس سے بچے کو محسوس
ہوتا ہے کہ امی ابو مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔ ہم غصے والا منہ بنا کے کہتے ہیں: کیا تجھے بتایا
نہیں ہے؟ سمجھایا نہیں ہے؟ ایسے وقت میں بچے کو بہت محبت اور نرمی سے سمجھانا چاہیے، جیسے
کوئی ہمدرد سمجھا رہا ہوتا ہے اور ڈانٹ کے بات نہیں کرنی چاہیے۔ اس فرق کو ذرا سمجھنے کی
کوشش کیجیے کہ جب بھی آپ بچے کو سمجھانا چاہتے ہوں کہ آپ نے یہ کام کرنا ہے اور یہ نہیں
کرنا تو ایسے نہ سمجھائیں کہ بچے کو آپ کے انداز سے ڈانٹ اور نفرت کا پیغام ملے۔ بلکہ بچے
کو یہ احساس ہو کہ بڑی ہمدردی کی وجہ سے مجھے یہ بات سمجھائی جارہی ہے۔ ایسا کرنے سے
بچہ بات کو جلدی سمجھ لیتا ہے۔

جب بھی بچہ بدتمیزی کر رہا ہو، اس وقت بچے کو کبھی بھی نہیں ڈانٹنا چاہیے کیونکہ وہ بدتمیزی

کے روپ میں ڈھلا ہوتا ہے۔آپ اسے جتنا ڈانٹیں گے، اتنا ہی اس کے اندر نفرت کے جذبات بڑھیں گے، کم نہیں ہوں گے۔ لہٰذا اس وقت خاموش ہو کر بچے سے الگ ہو جانا چاہیے اور اس کو اکیلا چھوڑ دینا چاہیے، تاکہ اس کا غصہ جلدی ختم ہو جائے۔

اولاد کے حقوق:

بچے کو اچھا کھلانا، اچھے کپڑے پہنانا اور جب بچہ بڑا ہو جائے تو اس کو علم سکھانا، گھڑسواری، تیراندازی اور تیراکی سکھانا، ماں باپ کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ بچے کو یہ چیزیں سکھائیں، تاکہ وہ ایک اچھا انسان بن کر زندگی گزار سکے۔

بچوں کے ساتھ کھیلیں:

نبی علیہ السلام اپنے سامنے بچوں کی دوڑ لگواتے تھے۔ حدیث مبارکہ میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عبداللہ، عبیداللہ اور کثیر (جو کہ عباس رضی اللہ عنہ کے صاحبزادگان تھے) کو ایک صف میں کھڑا کرتے اور فرماتے:

((مَنْ سَبَقَ إِلَيَّ فَلَهُ كَذَا وَكَذَا.)) [مسند احمد بن حنبل، حدیث:۱۸۳۶]

”جو میرے پاس پہلے آئے گا، اسے یہ یہ ملے گا۔“

چنانچہ یہ سب دوڑ کر نبی علیہ السلام کے پاس آتے، کوئی پشت پر گرتا اور کوئی سینہ مبارک پر آ کر گرتا۔ نبی علیہ السلام انہیں پیار کرتے اور اپنے جسم کے ساتھ لگا لیتے۔

اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بچوں کو بھاگنے کے لیے کہا اور پھر اپنی طرف بلایا تو بہت محبت سے پکڑا۔ اس میں والد کے لیے پیغام ہے کہ باپ کو چاہیے کہ وہ بچے کے ساتھ اس طرح کے چھوٹے چھوٹے کھیل کھیلے، جن سے باپ اور بیٹے کی محبت بڑھے یا آپس

میں بھائی بہنوں کے درمیان کی محبت بڑھے۔

محنت میں عظمت:

ایک اور اہم نکتہ یہ ہے کہ بچے کی تربیت کے دوران اس کو یہ سکھانا چاہیے کہ زندگی میں محنت کرنی بڑی ضروری ہے۔ اگر آپ ان کا ہر کام خود ہی کر دیں گے تو بچے کو محنت کہاں کرنی پڑے گی۔ لہٰذا بچوں کو کام کرنے کا موقع دیں، تاکہ وہ اپنا کام خود کرنے کی کوشش کریں۔ ریسرچ میں تو یہ بھی لکھا ہوا تھا کہ بچے کو اپنا پسینہ بہانے کا موقع دیں۔ یعنی وہ اتنا کام کرے کہ اس کا پسینہ بہے، تاکہ اس کو پتا چلے کہ محنت کسے کہتے ہیں؟ بچے جب محنت کے نتائج دیکھتے ہیں تو ان کو خوشی ہوتی ہے۔ ہمیشہ بچے کو یہ سمجھائیں کہ محنت کرنی لازمی ہوتی ہے، مگر یہ ضروری نہیں ہوتا کہ محنت کے بعد کامیابی ہو، بلکہ کبھی کبھی ناکامی بھی ہوسکتی ہے۔ اس کے لیے بھی اس کا ذہن بنائیں تاکہ بچہ مایوس نہ ہو اور پریشان نہ ہو کہ میں نے اتنی محنت کی تھی اور یہ کام میں نہیں کرسکا۔ بچے کو سمجھائیں کہ نتائج ہمارے اختیار میں نہیں ہیں بلکہ نتائج تو اللہ کے اختیار میں ہیں، لیکن محنت کرنا ہمارا کام ہے۔ جب بچپن سے اس کا ذہن بنے گا کہ محنت میں نے کرنی ہے اور نتیجہ اللہ کے اختیار میں ہے تو وہ ناکامی پر بھی مایوس نہیں ہوگا۔

صاف ستھرا رہنے کی تربیت:

پھر بچوں کو یہ سمجھائیں کہ وہ اپنا خیال کیسے رکھیں۔ بچے اپنے لباس کا، ناخنوں اور اپنے بالوں کا خیال نہیں کرتے۔ ان کو بتانا پڑتا ہے کہ ناخن اور بال کٹوانے ہوتے ہیں، بالوں میں کنگھی کرنی ہوتی ہے، کپڑوں کو صاف رکھنا ہوتا ہے۔ یہ سب چیزیں بچے کو ماں

باپ سکھاتے ہیں۔

اپنے بچے کے لیے Role Modle (نمونہ) بنیں:

اگر آپ چاہتے ہیں کہ بچہ کوئی کام کرے تو اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ وہ کام بچے کو خود کر کے دکھائیں، بچے Copy (نقل) جلدی کر لیتے ہیں۔ وہ اپنے باپ کو جیسے کرتا دیکھتے ہیں اسی طرح کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

Children always copy their parents.

''بچے جیسا اپنے ماں باپ کو کرتے دیکھتے ہیں، ویسا ہی خود کرتے ہیں۔''

چیف انجینئر منگلا:

چنانچہ ہمارے ایک دوست منگلا ڈیم سے تعلق رکھنے والے تھے اور وہاں پہ چیف انجینئر کے عہدے پہ تھے۔ ان کو روزانہ بہت سارے لوگوں کی کالیں آتی تھیں کہ بجلی کیوں زیادہ جارہی ہے؟ کیا مسئلہ ہے وغیرہ...... تو ان کی ایک عادت بن گئی تھی کہ جب بھی فون بجتا تھا تو وہ فون اُٹھا کر کہتے تھے:

Hello, this is cheif engineer mangla speaking.

''ہیلو، چیف انجینئر منگلا بات کر رہا ہے۔''

تا کہ اگلے بندے کو پتا چلے کہ کون بول رہا ہے؟ وہ کہنے لگے: ایک دن میں باتھ روم سے اپنے ہاتھ دھو کر باہر نکلا تو میں نے دیکھا کہ میرے گھر کے فون کی گھنٹی بج رہی ہے۔ کہتے ہیں: میرا دو سال کا چھوٹا بچہ بھاگا بھاگا آیا اور اس نے آ کے کریڈل اُٹھا کر اپنے کان سے لگایا اور کہنے لگا:

Hello, cheif engineer mangla speaking.

یعنی اتنا چھوٹا بچہ بھی اپنے باپ کی نقل کر رہا ہے۔لہٰذا باپ کو ہمیشہ ایک نمونہ بن کے رہنا پڑتا ہے، تا کہ بچہ اس کی اچھی عادات کو دیکھے اور خود بھی اچھی عادات اپنائے۔

بچت کرنے کی عادت:

بچوں کو وقتاً فوقتاً جو انعام دیتے ہیں۔اس کے حوالے سے باپ کی ذمہ داری ہے کہ وہ بچوں کو سمجھائے کہ جو پیسہ انہیں دیا جاتا ہے اسے اچھی جگہ پہ خرچ کریں اور اس کو بچا کے رکھنا بھی اچھی عادت ہے۔بچت کرنے کی عادت باپ بچے میں ڈالتا ہے۔

محنت پر حوصلہ افزائی:

پھر باپ کو چاہیے کہ محنت کش لوگوں کی کہانیاں پڑھ کر بچے کو سنائے۔اور ایک اہم نکتہ یہ کہ باپ کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ بچے کو ناکامی سے نکلنا سکھائے۔ بچے نے اگر کوئی کام کیا اور اس میں ناکام ہو گیا یا کام نہیں کر سکا تو اب اس ناکامی کے غم سے نکلنا بھی باپ اس کو سکھائے گا۔اس وقت محبت سے پیش آئیں، اس کو سمجھائیں کہ بیٹا! نتائج ہمارے اختیار میں نہیں ہوتے، صرف محنت ہمارے اختیار میں ہوتی ہے۔آپ نے چونکہ محنت کی ہے، لہٰذا میں آپ کی محنت کی وجہ سے بہت خوش ہوں۔ اگر نمبر بھی اچھے آتے تو میری خوشی اور زیادہ ہو جاتی۔مثلاً بچے نے محنت تو بہت کی تھی، وہ راتوں کو جاگ کے پڑھتا تھا۔ٹیوشن بھی جاتا اور ہوم ورک بھی کرتا تھا، مگر پھر بھی اسکول میں اچھے گریڈ نہیں آئے۔تو اس پر فوراً ڈانٹ ڈپٹ شروع کر دینی نہیں کرنی چاہیے۔

باپ کی دعا:

بچوں کو سمجھانا اور ان کو دعا دینا بھی سنت ہے۔حدیث پاک میں ہے:

((عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْخُذُنِي فَيُقْعِدُنِي عَلَى فَخِذِهِ وَيُقْعِدُ الْحَسَنَ عَلَى فَخِذِهِ الْأُخْرَى ثُمَّ يَضُمُّهُمَا ثُمَّ يَقُولُ اللّٰهُمَّ ارْحَمْهُمَا فَإِنِّي أَرْحَمُهُمَا.)) [صحیح بخاری، حدیث:۶۰۰۳]

''حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پکڑتے تھے اور ایک ران پر مجھے اور دوسری ران پر حسن رضی اللہ عنہ کو بٹھلا دیتے تھے، پھر دونوں کو ملاتے اور فرماتے: اے اللہ! ان دونوں پر رحم فرما، اس لیے کہ میں بھی ان پر مہربانی کرتا ہوں۔''

آج شاید کوئی باپ بھی ایسا نہیں ہوگا، جس نے اپنے بچے کو اس طرح گود میں بٹھا کر دعا دی ہو: اے اللہ! میں اس سے پیار کرتا ہوں، آپ بھی اس سے پیار فرمائیے۔

بچوں کے ساتھ وقت گزاریں:

چھوٹے بچوں کے ساتھ باپ کو وقت زیادہ وقت گزارنا چاہیے۔ کئی لوگ اپنی بیوی کے ذمے لگا دیتے ہیں کہ بس تم جانو اور بچوں کی تربیت جانے۔ حالانکہ ماں اکیلی تربیت نہیں کرسکتی۔ جو باپ کا کام ہے وہ باپ کو ہی کرنا پڑے گا۔ ایک بات ذہن میں رکھیے کہ جس بچے کو باپ کے ساتھ زیادہ وقت ملتا ہے اس کی Motor skills (بھاگنے دوڑنے کی تربیت) بہت اچھی ہوجاتی ہے۔ اور جس کو ماں کے ساتھ وقت زیادہ ملتا ہے اس کی Communication skills (بات چیت کرنے کا ہنر) زیادہ بہتر ہوتی ہیں۔ ماں کے ساتھ وقت گزارنے کا اپنا فائدہ ہے اور باپ کے ساتھ وقت گزارنے کا اپنا فائدہ ہے۔ اسی لیے جن بچوں کے والدین کے درمیان علیحدگی (طلاق) ہوجاتی ہے وہ زندگی میں کبھی بھی کامیاب نہیں ہوتے اور ایک کامیاب انسان نہ بننے کا جرم بچے کا نہیں ہوتا، بلکہ ماں باپ کا ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کی زندگی اس کے ماں باپ کی وجہ سے ناکام ہوجاتی ہے۔

نبی علیہ السلام کی بچوں سے محبت:

اُمّ خالد بنت خالد بن سعید رضی اللہ عنہا ایک صحابیہ ہیں۔ وہ اپنے بچپن کا واقعہ سناتی ہیں کہ میں اپنے والد کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئی اور میں ازار و قمیص پہنے ہوئے تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سَنَهْ سَنَهْ (سَنَهْ حبشی زبان میں عمدہ چیز کو کہتے ہیں) اُمّ خالد رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میں خاتم نبوت سے کھیلنے لگی، میرے والد نے مجھے اُٹھا لیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اسے کھیلنے دو۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

((أَبْلِي وَأَخْلِقِي ثُمَّ أَبْلِي وَأَخْلِقِي ثُمَّ أَبْلِي وَأَخْلِقِي.)) [صحیح بخاری، حدیث:۳۰۷۱]

''یہ کپڑا پُرانا ہو اور پھٹ جائے۔ یعنی تیری زندگی اتنی لمبی ہو کہ تو اس کپڑے کو پہن پہن کر بوسیدہ کر لے۔''

یہ سن کر میرے والد کی آنکھوں سے آنسو آ گئے اور انہوں نے رونا شروع کر دیا کہ میں تو بچی کو ڈانٹ رہا ہوں کہ تم نبی علیہ السلام کی انگوٹھی سے کیوں کھیل رہی ہو اور نبی علیہ السلام اتنے شفیق ہیں کہ دعائیں دے رہے ہیں: اے بچی! تم اس کپڑے کو اتنا پہنو کہ یہ پُرانا ہو جائے۔

نبی علیہ السلام نے خطبہ روک کر نواسے کو اُٹھا لیا:

حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ دے رہے تھے کہ اچانک حسن و حسین رضی اللہ عنہما آ گئے، دونوں نے سرخ قمیص پہنی ہوئی تھی، چلتے تھے تو (چھوٹے ہونے کی وجہ سے) گر جاتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر سے نیچے تشریف لائے اور دونوں کو اُٹھا کر اپنے

سامنے بٹھالیا۔ پھر فرمایا:

((صَدَقَ اللّٰهُ ﴿إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ﴾ نَظَرْتُ إِلَى هٰذَيْنِ الصَّبِيَّيْنِ يَمْشِيَانِ وَيَعْثُرَانِ فَلَمْ أَصْبِرْ حَتَّى قَطَعْتُ حَدِيثِي وَرَفَعْتُهُمَا.))

[جامع ترمذی، حدیث: ۳۷۷۴]

''اللہ تعالیٰ سچ فرماتا ہے کہ تمہارے اموال اور تمہاری اولادیں فتنہ (آزمائش) ہیں۔ لہٰذا دیکھو کہ جب میں نے انہیں دیکھا کہ گر گر کر چل رہے ہیں تو صبر نہ کر سکا اور اپنی بات کاٹ کر انہیں اٹھالیا۔''

نبی علیہ السلام بچوں کو اتنی زیادہ محبت دیا کرتے تھے۔ یہ ہے وہ راز جس سے بچے دنیا میں ایک اچھا انسان بنا کرتے ہیں۔

سجدہ لمبا کر لیا، مگر بچے کو نہ ہٹایا:

عبداللہ بن شداد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز عشاء ادا کرنے کے لیے باہر تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کو گود میں اُٹھائے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت (نماز کی امامت فرمانے کے لیے) آگے بڑھے اور ان کو زمین پر بٹھلا دیا۔ پھر تکبیر کہہ کر نماز شروع فرمائی۔ اور نماز کے درمیان ایک سجدہ میں تاخیر فرمائی۔ میں نے سر اُٹھایا تو دیکھا کہ صاحب زادے (رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پشت مبارک پر ہیں اور اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حالت سجدہ میں ہیں۔ پھر میں سجدہ میں چلا گیا۔ جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز سے فارغ ہو گئے تو لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ نے نماز کے دوران ایک سجدہ ادا فرمانے میں تاخیر فرمائی۔ یہاں تک کہ ہم لوگوں کو اس بات کا

خیال ہوا کہ آپ کے ساتھ کسی قسم کا کوئی حادثہ پیش آ گیا یا آپ پر وحی نازل ہو گئی ہے۔
آپ ﷺ نے فرمایا:

((كُلُّ ذَلِكَ لَمْ يَكُنْ وَلَكِنَّ ابْنِي ارْتَحَلَنِي فَكَرِهْتُ أَنْ أُعَجِّلَهُ حَتَّى يَقْضِيَ حَاجَتَهُ.)) [سنن النسائی، حدیث:۱۱۴۱]

''ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ میرا لڑکا (نواسہ) مجھ پر سوار ہوا تو مجھے (بُرا) محسوس ہوا کہ میں جلدی اُٹھ کھڑا ہوں اور اس کی مراد (کھیلنے کی خواہش) مکمل نہ ہو۔''

باپ، بچے کے تعلق کے بارے میں ریسرچ:

ہارورڈ یونیورسٹی کی ایک ریسرچ ہے کہ جن بچوں کو باپ کے ساتھ کھیلنے کا موقع ملتا ہے، ان کا IQ level (ذہانت کا تناسب) زیادہ ہوتا ہے۔

اس یونیورسٹی نے پچیس سال تک ایک ریسرچ کی اور اس کے بعد انہوں نے نتیجہ یہ نکالا کہ جو بچے دنیا میں کامیاب ہوتے ہیں، یہ وہی ہوتے ہیں جن کو پلنے کے دوران باپ کی شفقت اور محبت ملی ہوتی ہے۔

جو بچے جسمانی کھیل کھیلتے ہیں جیسے فٹ بال یا دوڑنا بھاگنا وغیرہ۔ تو ان بچوں کے اندر ADHD-[Attention deficit hyperactivity disorder] (ایک قسم کی دماغی بیماری) کی علامات کم ہو جاتی ہیں۔ ایسے بچوں کے اندر پریشان ہونے کی عادت بھی کم ہوتی ہے۔ کھیلنے کے دوران بچوں کو دھوپ میں وٹامن ڈی ملتی ہے جس سے بچے کے جسم میں تازگی آتی ہے۔

بچوں سے سوال جواب کریں:

دو تین وقت ایسے ہوتے ہیں جب بچے بہت جلدی سیکھتے ہیں، ہمیشہ ان اوقات سے

فائدہ اُٹھانا چاہیے:

ایک یہ کہ بچے جیسے ہی گاڑی میں بیٹھتے ہیں تو وہ سیکھنے کے موڈ میں آجاتے ہیں۔ لہٰذا وہ سوال پہ سوال پوچھتے ہیں۔ ماں باپ کو پتا ہونا چاہیے کہ جیسے ہی بچے گاڑی میں بیٹھیں گے تو یہ سوالات کی بوچھاڑ کردیں گے۔ اس وقت ان کو ڈانٹ ڈپٹ نہیں کرنی چاہیے، بلکہ ان کو اچھی اچھی باتیں سمجھانی چاہییں۔

دوسرا یہ کہ بچے کھانے کے دوران بھی بہت سوال کرتے ہیں۔ اس وقت بھی ان کو ڈانٹنے کے بجائے اچھی باتیں سکھانی چاہییں۔

تیسرا رات کو جب بچے سونے لگتے ہیں تو اس وقت بھی وہ سننے سمجھنے کے موڈ میں ہوتے ہیں۔ لہٰذا وہ اپنی ماں سے سوالات کرتے ہیں، کہانیاں سنتے ہیں اور پھر سوتے ہیں۔ یہ اللہ نے ان کا ایک قدرتی نظام بنا دیا ہے۔ لہٰذا ایسے وقت کو صحیح طریقے سے استعمال کرنا چاہیے۔ ماں کو چاہیے کہ وہ کہانیاں سوچ کر رکھے اور رات کو سوتے وقت بچے کو سنائے، ان کہانیوں سے اچھے نتائج نکالے، جس سے بچے کو پتا چلے کہ مجھے زندگی میں کیا بننا ہے؟

ٹوٹے خاندانوں کے بچے اعلیٰ کارکردگی سے محروم:

ہارورڈ یونیورسٹی کی ایک اور ریسرچ ہے کہ جو بچے یونیورسٹی میں A گریڈ لیتے ہیں۔ ایسے کامیاب بچے وہ ہوتے ہیں جو ماں باپ کی مشترکہ کوششوں سے پلتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ٹوٹے خاندانوں کے بچے کبھی بھی اعلیٰ کارکردگی نہیں دکھا سکتے۔

جو بچے ماں باپ کے ساتھ مل کر کھانا کھاتے ہیں ان میں کھانے پینے سے متعلق مسائل پینتیس فیصد کم ہوجاتے ہیں، موٹاپے کے امکانات بھی بارہ فیصد کم ہوجاتے

ہیں۔ایسے بچے نشہ آور چیزوں سے بھی دور رہتے ہیں۔

اس ریسرچ میں یہ بھی ہے کہ کھانا کھانے کے دوران بچے سے کچھ سوال ضرور کرنے چاہییں جن سے آپ کو بچے کی شخصیت کا اندازہ ہوسکتا ہے۔مثلاً یہ کہ آپ بڑے ہوکر کیا بنو گے؟ تو بچہ بتائے گا کہ میں نے بڑے ہوکر حافظ بننا ہے، عالم بننا ہے، مفتی بننا ہے، انجینئر یا ڈاکٹر بننا ہے۔لہٰذا بچے سے اس کی زندگی کے مقاصد کے بارے میں ضرور پوچھیں۔اسی طرح آپ بچے سے یہ بھی پوچھ سکتے ہیں کہ گاڑی میں سیٹ بیلٹ باندھنا کیوں ضروری ہے؟ چھوٹا بچہ اگر جواب نہیں جانتا تو آپ اسے سمجھائیں کہ سیٹ بیلٹ باندھنے کے کیا فائدے ہیں۔اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ جب بھی وہ گاڑی میں بیٹھے گا تو سیٹ بیلٹ باندھنے میں نخرے نہیں کرے گا۔

ایک سوال یہ بھی پوچھا جاسکتا ہے کہ تمہارا پسندیدہ مضمون کون سا ہے؟ کسی کو Math (ریاضی) پسند ہوتی ہے، کسی کو Language (اردو یا انگلش وغیرہ) پسند ہوتی ہے تو کسی کو تاریخ وجغرافیے کا مضمون پسند ہوتا ہے۔لہٰذا جو بھی مضمون اس کو پسند ہوگا وہ اس کی شخصیت کی عکاسی کرے گا۔

بچے سے یہ سوال کریں کہ ہم اپنے گھر کے ماحول کو کیسے بہتر بناسکتے ہیں؟ اگرچہ بچہ بہت چھوٹا ہے وہ یہ بات نہیں بتاسکتا، لیکن اس کی اپنی ایک دنیا ہے۔آپ یہ دیکھیں کہ اس کی اپنی دنیا میں اس کی سوچ کیا ہے کہ گھر کا ماحول کیسے بہتر ہوسکتا ہے؟ ہوسکتا ہے کہ وہ یوں جواب دے: ابو! آپ غصہ کم کیا کریں۔

ایک بہت اہم سوال ہے۔آپ اپنے بچے سے یہ ضرور پوچھیں کہ کیا آپ نے کبھی اللہ کی رضا کے لیے کسی کی خدمت یا مدد کی ہے؟ تو بچہ بتائے گا کہ اس نے کسی Class

Fellow (ہم جماعت) کی یا کسی دوست کی اللہ کے لیے مدد کی یا اس نے کسی پہ ترس کھایا یا کسی کے غم میں اس کا ساتھ دیا۔ اس چیز کے پوچھنے سے بچے کے اندر یہ صفات اور زیادہ پیدا ہو جاتی ہیں۔ بچہ اگر ایسے واقعات سنائے تو اس کی خوب تعریف اور حوصلہ افزائی کرنی چاہیے کہ مجھے یہ سن کے بہت خوشی ہوئی کہ آپ کا دل حساس ہے اور آپ دوسرے کی تکلیف کو محسوس کرتے ہیں۔

اسکول کی تقریبات میں شرکت کریں:

جب بچے اسکول جانے والے ہوں تو ان کے اسکول کی تقریبات میں ماں باپ کو دلچسپی رکھنی چاہیے۔ بچے کو پتا ہو کہ اگر میرے گریڈز اچھے آئیں گے تو میرے والدین کے سامنے مجھے سرٹیفکیٹ ملے گا۔ اس سے بچہ خوش ہوتا ہے اور اچھا بننے کی کوشش کرتا ہے۔ اسی طرح اگر اس نے بُرے نمبرز لیے ہوں تو اسے احساسِ ندامت ہوتا ہے اور وہ سوچتا ہے کہ آئندہ میں نے اپنے ماں باپ کو شرمندہ نہیں ہونے دینا۔

بچوں میں خدمت خلق کا جذبہ پیدا کریں:

بچے کو سمجھائیں کہ دوسروں کا خیال رکھنا ہماری پہلی ترجیح ہونی چاہیے۔ ایک ہوتا ہے اپنا خیال کرنا، یہ بھی ضروری ہے اور ایک ہوتا ہے دوسروں کا خیال کرنا۔ بچے کو سمجھائیں کہ اگر آپ دوسرے کا خیال کریں گے تو اس پر اللہ آپ سے راضی ہو جائیں گے۔ اس سے بچے کے اندر خدمت خلق کا جذبہ پیدا ہو جائے گا۔

Provide opportunities to children to show empathy for others.

''اپنے بچوں کو ایسے مواقع فراہم کریں جن میں وہ دوسروں کی پریشانی میں ان کی ہمت بڑھا سکیں۔''

بچے Sympathy (ہمدردی کرنا) تو جلدی سیکھ لیتے ہیں، مگر Empathy نہیں سیکھ پاتے۔ Empathy کہتے ہیں کہ کسی بندے کے ساتھ اگر کوئی بُرا معاملہ ہو تو اس کے بعد اس کو تسلی دینا اور اس کو ہمت دلانا۔

اَخلاقی بُرائیوں سے بچنا سکھائیں:

بچے کو غصے پہ قابو کرنا سکھائیں۔ اگر بچہ کسی وقت غصے میں آئے تو اس کو سمجھائیں کہ بیٹا! آپ کو غصہ آ گیا ہے۔ آپ بیٹھے ہیں تو کھڑے ہو جائیں اور اگر کھڑے ہیں تو آپ دوسرے کمرے میں چلے جائیں، وضو کر لیں یا نہا لیں۔ تاکہ اس کو عملی طور پر پتا چلے کہ مجھے اپنے غصے کو کیسے قابو کرنا ہے؟

مساوات کا سلوک:

بچوں کے ساتھ برابری کا معاملہ کرنا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ بیٹے کو تو شہزادے کی طرح رکھا جائے اور بیٹی کو نظر انداز کر دیا جائے۔ دونوں چونکہ بچے ہیں لہٰذا دونوں کی تربیت ایک جیسی کرنی چاہیے۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک بچے کو کوئی چیز دی تو نبی علیہ السلام نے پوچھا:

((أَعْطَيْتَ كُلَّ وَلَدِكَ مِثْلَ هٰذَا؟ قَالَ لَا، قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْدِلُوا بَيْنَ أَوْلَادِكُمْ.)) [مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث: ۳۰۹۸۹]

''کیا آپ نے اپنے سب بچوں کو یہی چیز دی ہے؟ صحابی نے کہا: میں نے دوسروں کو تو نہیں دی۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا: اللہ سے ڈرو اور اپنے بچوں کے ساتھ برابری کا

سلوک کیا کرو۔"

ایثار اور ہمدردی کا سبق:

ہم نے جب بھی اپنے بیٹے سیف اللہ کے لیے کوئی کھلونا خریدنا ہوتا تو ہمیں تین کھلونے خریدنے پڑتے تھے۔ ہم اس کو ایک کھلونا خرید کے دینا چاہتے، مگر وہ اپنا کھلونا خریدنے کے بعد کہتا: ابو! حبیب اللہ کے لیے بھی خریدنا ہے اور جب اس کے لیے خرید لیتا تو کہتا: میں نے صالحہ کے لیے بھی خریدنا ہے۔ وہ جب بھی کہیں جاتا تھا کبھی بھی ایک چیز نہیں لاتا تھا، ہمیشہ تین چیزیں لاتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کے اندر ہمدردی کا مادہ تھا۔

چنانچہ ایک مرتبہ ہمارے گھر میں ایک فقیر عورت آئی، جو بوڑھی تھی۔ وہ میری اہلیہ کے پاس بیٹھ کر تھوڑی دیر بات کرنے لگی: میرے پاس کھانا نہیں، رمضان شریف بھی آرہا ہے اور میں نے روزے رکھنے ہیں وغیرہ۔ تو اہلیہ نے اس کو کچھ پیسے دے دیے کہ آپ جائیں اور رمضان شریف کے لیے چیزیں خرید لیں۔ اب سیف اللہ یہ باتیں سن رہا تھا۔ جب وہ عورت اُٹھ کر جانے لگی تو وہ اپنی امی سے کہنے لگا: امی! یہ تو اتنی بوڑھی ہیں، یہ کیسے چیزیں خریدے گی اور ان کو کھانا کون پکا کے دے گا؟ یعنی چھوٹے سے بچے کو یہ تو پتا چل گیا کہ امی نے پیسے دے دیے ہیں وہ خرید لے گی، لیکن چونکہ وہ بوڑھی اور کمزور تھی تو یہ اس کو دیکھ کر کہہ رہا تھا: یہ اپنا کھانا کیسے بنائے گی؟ تو اس کی امی اس کو دیکھ کر مسکرائیں اور کہا: ابو سے پوچھ لو، میں اس کا کھانا بنانے کے لیے اس کے ساتھ چلی جاتی ہوں۔

ہمارے بچوں میں سے سیف اللہ کے اندر یہ خاص بات ہم نے دیکھی ہے۔ باقی بچے بھی بہت خیال کرتے ہیں، لیکن ان کو ایک کھلونا لے کر دے دیا تو وہ خوشی سے لے کر آجاتے تھے، مگر سیف اللہ ہمیشہ تین چیزیں ہی لاتا تھا۔ یہ ایک اچھی صفت تھی اور سیف اللہ کی یہ

صفت آگے اس کی اولاد میں بھی آئی ہے۔ چنانچہ سیف اللہ کی بیٹی حنانہ دوسروں کا بہت خیال کرنے والی بچی ہے۔ کئی دفعہ میں اس کی اس عادت پہ حیران ہوتا ہوں۔ وہ بہت زیادہ محبت کرنے والی اور سب کے ساتھ بہت زیادہ تعلق رکھنے والی ہے۔ ایک مرتبہ میں اپنے کمرے سے باہر نکلا تو دیکھا کہ ڈاکٹر محسن صاحب کا بڑا بیٹا محمد، سرمد کو ڈانٹ ڈپٹ کر رہا تھا اور تھوڑی سختی کر رہا تھا۔ سرمد گھر کے صحن میں سائیکل چلانا چاہ رہا تھا، مگر وہ راستے میں کھڑا ہو گیا تھا، اب سرمد رو رہا ہے اور حنانہ بھی رو رہی ہے۔ میں باہر نکلا تو میں نے بچوں سے پوچھا: آپ رو کیوں رہے ہو؟ تو حنانہ اور سرمد دونوں نے بتایا کہ محمد ہمارا راستہ روک کے کھڑا ہے اور ہم سائیکل نہیں چلا پا رہے۔ میں نے اس کو ڈانٹا کہ آپ ان کو کیوں نہیں کھیلنے دے رہے؟ بچے اپنے گھر میں نہیں کھیلیں گے تو پھر کہاں کھیلیں گے؟ خیر! جب میں نے تھوڑا سا ڈانٹا تو وہ پیارا سا بچہ ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا۔ قدرتاً میرے پاس کچھ Sweets (ٹافیاں وغیرہ) تھیں تو میں نے کہا: آؤ بچو! آج میں آپ سب کو Sweets دیتا ہوں اور محمد، جو اُن کا راستہ روک کر کھڑا تھا اس کو سزا کے طور پر میں نے کہا: آپ دوسروں کو تنگ کرتے ہو تو آپ کو میں نے Sweet نہیں دینی۔ اب یہ بات سن کر محمد دکھی ہو گیا کہ مجھے Sweet نہیں ملے گی۔ جب میں نے باقی سارے بچوں کو Sweets تقسیم کر دیں تو اس کے بعد حنانہ میرے پاس آئی اور مجھ سے کہنے لگی: دادا ابو! محمد کو بھی دے دیں۔ یعنی جس کی وجہ سے وہ پریشان ہو رہی تھی، جب اس کو محروم کیا تو کہنے لگی: آپ اس کو محروم نہ کریں۔

اس وقت میرے دل میں یہ بات آئی کہ واقعی بچوں کے دل میں دوسروں کا خیال رکھنے والی عادت بھی ایک صفت ہے، جو بچپن میں پیدا ہوتی ہے اور یہ بچے پھر بڑی عمر میں آ کر دوسرے انسانوں کا احساس کرتے ہیں، ان کے غم کو اپنا غم سمجھتے ہیں اور ان کی خوشی کو اپنی

خوشی سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسا احساس دل ہر ایک کو عطا فرمائے۔ بہت سارے لوگ تو اتنے بے حس ہوتے ہیں کہ انہیں کسی چیز کا احساس ہی نہیں ہوتا۔ ہم نے نوجوانوں کو دیکھا ہے کہ بیوی رو رہی ہوتی ہے، مگر ان کو کوئی احساس نہیں ہوتا کہ ہم اس کو رُلا رہے ہیں، ماں رو رہی ہوتی ہے تو بچوں کو احساس نہیں ہوتا، بہن روتی ہے تو بھائی کو احساس نہیں ہوتا۔ یہ بے حس ہونا، اللہ تعالیٰ کو بہت ناپسند ہے۔ یہ چیزیں بچے کی پرورش کے دوران اس کے اندر پیدا کرنی چاہییں، تاکہ وہ اچھے اخلاق والا بچہ بن کر آگے آئے۔

عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ، ایک کامیاب باپ:

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ایک بہت کامیاب باپ تھے۔ ان کے گیارہ بیٹے تھے اور ان کی زندگی میں بہت غربت تھی، اس لیے کہ وہ بیت المال سے بہت تھوڑی مقدار لیا کرتے تھے جس سے بچوں کی ضروریات حتیٰ کہ کھانے پینے کی چیزیں بھی پوری نہیں ملتی تھیں۔ ایک مرتبہ انہوں نے اپنی بیٹی کو بلایا تو اسے آنے میں دیر لگی۔ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے دوسری مرتبہ ذرا سختی سے بلایا کہ وہ میرے پاس کیوں نہیں آ رہی؟ تو بیٹی کی جگہ اس کی ماں آئی اور کہنے لگی: آپ نے بیٹی کو بلایا ہے؟ فرمایا: ہاں! کہنے لگیں: میں آ گئی ہوں جو کام ہے مجھے بتا دیں۔ آپ نے پوچھا: وہ کیوں نہیں آ رہی؟ بیوی نے جواب دیا: اس نے جو کپڑے پہنے ہوئے تھے، وہ پھٹ گئے ہیں اور وہ ساتھ والے کمرے میں بیٹھی اپنی شلوار سی رہی ہے۔ جب تک کپڑے کو سلائی کر کے نہیں پہنے گی، آپ کے پاس کیسے آ سکتی ہے؟

یہ وقت کا خلیفہ ہے اور اس کی اپنی بیٹی کے پاس پہنے ہوئے کپڑوں کے علاوہ کوئی دوسرا کپڑا نہیں ہے۔ اتنی غربت کی زندگی تھی، مگر انہوں نے اپنے بچوں کو محنت کرنا سکھائی،

خدمت سکھائی، نیکی سکھائی اور بچوں کے اندر خوب نیکی کا جذبہ پیدا کیا۔ جب وہ وفات کے مرض میں تھے تو ان کا ایک دوست ان سے ملنے کے لیے آیا۔ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ لیٹے ہوئے تھے۔ اس نے کہا: عمر بن عبدالعزیز! آپ نے اپنے بچوں کے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ آپ نے پوچھا: وہ کیسے؟ اس نے کہا: وہ اس طور پر کہ آپ سے پہلے جو بادشاہ آئے، انہوں نے اپنی اولادوں کے لیے بڑی جاگیریں اور جائیدادیں وقف کیں، ہیرے جواہرات بیت المال سے لے کر ان کو دیے اور ان کو بہت مال دے کر غنی کر دیا، جبکہ آپ تو اپنی اولاد کے لیے کچھ بھی نہیں چھوڑ کر جا رہے۔ جب اس نے یہ الفاظ کہے تو عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اُٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمانے لگے: دیکھو! اگر میری اولاد نیک بنی ہے تو میں ان کو اللہ کی سرپرستی میں دے کر جا رہا ہوں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ خود ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ﴿١٩٦﴾﴾ [الاعراف:۱۹۶]

''اور وہ نیک لوگوں کی رکھوالی کرتا ہے۔''

میں ان کو اللہ کے حوالے کر کے (سرپرستی میں دے کر) جا رہا ہوں۔ اور اگر میری اولاد نیک نہیں بنی تو میں ان کے فسق و فجور پر ان کا معاون نہیں بن سکتا۔ پھر عمر بن عبدالعزیز فوت ہو گئے۔

اللہ کی شان دیکھیں کہ اگلا بندہ جو وقت کا بادشاہ بنا، اسے اپنے صوبوں کو سنبھالنے کے لیے گورنر کی ضرورت تھی۔ لہٰذا اس نے لوگوں سے مشورہ کیا کہ مجھے عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ جیسا ایمان دار، دیانت دار اور انصاف کرنے والا بندہ چاہیے۔ لوگوں نے کہا: اگر تمہیں عمر بن عبد العزیز جیسا شخص چاہیے تو ان کا بڑا بیٹا بالکل باپ جیسا ہی ہے تم اس کو لے لو۔ چنانچہ بادشاہ نے ان کے پہلے بیٹے کو گورنر بنایا۔ چونکہ باپ نے اس کو محنت کرنا اور رزق حلال کمانا سکھایا

تھا، دیانت اور امانت سکھائی تھی، اس لیے جب اس کو گورنر بنایا گیا تو اس نے اتنا اچھا کام کیا کہ چند دنوں کے بعد بادشاہ نے اس سے پوچھا: کیا تمہارا کوئی اور بھائی بھی ہے؟ اس نے بتایا: ہاں! میرا ایک اور بھائی بھی ہے جو مجھ سے اتنے سال چھوٹا ہے۔ اب بادشاہ نے دوسرے بچے کو ایک اور صوبے کا گورنر بنا دیا۔ جب دو گورنر بنے تو انہوں نے اتنا اچھا کام کیا کہ پھر بادشاہ نے ان کے تیسرے بھائی کو بھی گورنر بنا دیا۔

کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک ایسا وقت بھی آیا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے گیارہ بیٹے بیک وقت گیارہ صوبوں کے گورنر تھے!!!

یہ ہے کامیاب باپ۔ جس نے اپنے بچوں کو ایسی نیکی سکھائی کہ بعد والے لوگوں نے ایک وقت میں ان کے گیارہ بیٹوں کو گیارہ صوبوں کا گورنر بنایا!!! آپ یوں سمجھ لیں کہ عالم اسلام میں ان کے گیارہ بیٹوں کی ہی حکومت تھی۔

اولاد کی خاطر آپس کے لڑائی جھگڑے چھوڑ دیں:

باپ کو چاہیے کہ اولاد کی اچھی تربیت کرے اور ان کو ایک اچھا انسان بنانے لیے دعائیں اور کوششیں بھی کرے۔ اس کی بنیاد میاں بیوی کا آپس کا محبت اور پیار کا تعلق ہے۔ ایک دوسرے کے ساتھ غصہ اور لڑائی جھگڑا اللہ کی خاطر چھوڑ دینا چاہیے اور اولاد کے لیے قربانی دینی چاہیے۔ ہماری علاقائی زبان میں کہتے ہیں:

ع لڑن مجھاں تے خیر بوٹیاں نوں

یعنی کہ لڑتی تو بھینسیں ہیں، لیکن خراب چارہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح لڑتے ماں باپ ہیں اور بچے خراب ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا ماں باپ کو چاہیے کہ وہ بچوں کی خاطر قربانی دیں، آپس میں الفت اور محبت سے رہیں، بچوں کی اچھی تربیت کریں، تاکہ یہ بچے اچھے

انسان بنیں، دنیا کی نظر میں بھی کامیاب ہوں اور اللہ کی نظر میں بھی کامیاب ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایک اچھا باپ بننے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

مثالی بیٹا

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی أَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝١٠٠﴾ [الصافات:۱۰۰]

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

صاحبِ اولاد ہونا، انسان کی فطری خواہش:

شادی ہو جانے کے بعد ہر انسان کی یہ فطری تمنا ہوتی ہے کہ میں صاحبِ اولاد ہو جاؤں۔ چنانچہ مرد بھی اس کا خواہش مند ہوتا ہے اور اس کے لیے دعائیں کرتا ہے اور عورت بھی اس کے لیے دعائیں کرتی ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام نے بھی اس کے لیے دعائیں

مانگیں۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے دعا مانگی:

﴿رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْوٰرِثِیْنَ﴾ [الانبیاء:۸۹]

''یارب! مجھے اکیلا نہ چھوڑیئے اور آپ سب سے بہتر وارث ہیں۔''
کسی نے دعا مانگی:

﴿رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ﴾ [الصافات:۱۰۰]

''میرے پروردگار! مجھے ایک ایسا بیٹا دے دے جو نیک لوگوں میں سے ہو۔''

حضرت زکریا علیہ السلام نے تو بڑھاپے تک دعا مانگی۔ جب بال سفید ہو گئے اور ہڈیاں بوسیدہ ہو گئی تھیں اس وقت تک اللہ سے دعا مانگتے رہے۔ قرانِ مجید گواہی دے رہا ہے کہ انہوں نے کہا:

﴿رَبِّ اِنِّیْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَیْبًا﴾

''میرے پروردگار! میری ہڈیاں کمزور پڑ گئی ہیں اور سر بڑھاپے کی سفیدی سے بھڑک اُٹھا ہے۔''
جیسے دھوپ سفید ہوتی ہے ایسے سفید ہو گئے ہیں۔

﴿وَلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِیًّا﴾ [مریم:۴]

''اور میرے پروردگار! میں آپ سے دعا مانگ کر کبھی نامراد نہیں ہوا۔''

ابھی بھی میں دعا مانگتا ہوں، آپ چاہیں تو عطا فرما سکتے ہیں۔ اور پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول کیا اور اس بڑھاپے میں اللہ نے ان کو بیٹا عطا فرمایا۔ تو یہ انسان کی ایک فطری تمنا ہوتی ہے کہ وہ صاحبِ اولاد ہو جائے۔

بیٹی اور بیٹے کی تربیت میں فرق:

چونکہ بیٹے اور بیٹی دونوں کی جنس میں فرق ہوتا ہے، شخصیتوں کا بھی فرق ہوتا ہے، اس لیے بیٹے اور بیٹی کی تربیت میں کافی فرق پایا جاتا ہے۔ لڑکا اگر بگڑ جائے تو لوگ اس کی شخصیت کو تو بُرا کہتے ہیں، مگر ماں باپ کو بُرا نہیں کہتے، جبکہ بیٹی کا معاملہ اور ہے، وہ خاندان کی عزت سمجھی جاتی ہے۔ اس لیے اس کی تربیت کرتے وقت نیکی اور حیا کی تعلیم زیادہ دینی چاہیے۔

لڑکی کا بگڑنا، خاندان کی بدنامی:

لڑکی سے اگر اُونچ نیچ ہوتی ہے تو یہ خاندان کی بدنامی ہوتی ہے، خاندان کو دھبہ لگتا ہے۔ اس لیے اس کا معاملہ زیادہ نازک ہے اور قرآنِ پاک سے اس کا ثبوت بھی ملتا ہے۔ بی بی مریم علیہا السلام کے ہاں جب عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی تو وہ بچے کو لے کے آئیں۔ قوم نے جب دیکھا کہ ایک جوان، کنواری لڑکی بچے کو اُٹھا کے لا رہی ہے تو کہنے لگی:

﴿يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْـًٔا فَرِيًّا ﴾ [مریم:۲۷]

''اے مریم! تم نے تو بڑا غضب ڈھا دیا۔''

یہ کیا طوفان چیز اُٹھا کے لے آئی ہو؟ ہم تو نہیں امید رکھتے کہ تیرے ہاں بچہ ہوگا۔ تیری تو ابھی شادی نہیں ہوئی، رخصتی نہیں ہوئی، تیرے ہاں یہ بچہ کیسے ہوگیا؟ پھر بات یہیں تک نہیں رہی، بلکہ انہوں نے آگے بھی بات بڑھائی۔

﴿يٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا ﴾

[مریم:۲۸]

"اے ہارون کی بہن! نہ تو تمہارا باپ کوئی بُرا آدمی تھا، نہ تمہاری ماں کوئی بدکار عورت تھی۔"

عمل تو بی بی مریم علیہا السلام کا تھا، لیکن بھائی، ماں اور باپ کا تذکرہ بھی ساتھ میں آ گیا کہ نہ تمہارا باپ بُرا تھا، نہ تمہاری ماں بدکار تھی، تم کیسے یہ بن گئی؟ تو چونکہ خاندان کی بدنامی ہوتی ہے اس لیے بچیوں کی تربیت حساس معاملہ ہے۔ تاہم بیٹوں کی تربیت پہ بھی جتنی محنت کرنی چاہیے، شریعت نے اس کے بارے میں بہت تفصیلات بتائی ہیں۔ دینِ اسلام نے بچوں کو والدین کی عزت سکھائی ہے۔

مغربی معاشرہ اور کفری قانون سازیاں

دنیا کے باقی معاشروں کو دیکھیں تو آپ کو بہت اونچ نیچ ملے گی کیونکہ وہ تجربات پہ مبنی معاملے ہوتے ہیں، لہٰذا وہ دھکے کھاتے ہیں۔ کبھی ایک فیصلہ کرلیا، پھر وقت نے بتایا کہ غلط تھا پھر اس کو بدل کے دوسرا فیصلہ کرلیا۔ تو یہ جتنے اس قسم کے انسانی بنائے ہوئے قانون ہیں، یہ وقت کے ساتھ ناکام ہوجاتے ہیں۔

Old age homes کا قیام:

ایک ایسا وقت بھی آیا کہ کفر نے یہ فیصلہ کیا کہ نوجوان بچوں کو اپنی زندگی گزارنے کی آزادی دینی چاہیے اور یہ جو ماں باپ ہر وقت ان کے سر پر سوار ہیں، ان کا تعلق الگ کرنا چاہیے۔ لہٰذا انہوں نے کہا کہ اگر کوئی ماں باپ بوڑھے ہوجائیں گے تو حکومت ان کو Old age homes (بوڑھے لوگوں کے رہنے کی خصوصی جگہوں) میں رکھے گی اور ان کا خرچہ ادا

کرے گی۔ ماں باپ کے لیے بچوں کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے وہ اپنی زندگی اپنی مرضی سے گزاریں۔ اس طرح کرنے سے بچے ماں باپ سے بالکل آزاد ہو گئے۔

باپ کی وفات پر بیٹا ٹس سے مس نہ ہوا:

معاملہ یہاں تک پہنچا کہ ہمارے ایک جاننے والے سول انجینئرنگ کے پروفیسر تھے، جنہوں نے U.K (انگلینڈ) سے انجینئرنگ کی ڈگری لی۔ وہ کہنے لگے کہ میرا ایک انگریز دوست تھا، میں کبھی کبھی اس کے دفتر جایا کرتا تھا۔ ایک دن میں اس کے دفتر گیا تو میرے بیٹھے بیٹھے اس کی سیکرٹری آئی اور کہنے لگی: سر! ہسپتال سے آپ کے لیے کال ہے...... اب ہم لوگوں کی تو طبیعتیں ایسی ہوتی ہیں کہ ہسپتال کا نام آجائے تو فوراً ہی متوجہ ہوتے ہیں کہ اللہ خیر کرے نجانے کیوں ہسپتال سے کال آئی؟...... لہٰذا میں نے اپنے دوست سے پوچھا کہ ہسپتال سے کیوں کال آئی ہے؟ وہ بڑا پُرسکون انداز سے کہنے لگا: کوئی خاص بات نہیں ہے، میرے والد بیمار تھے اور ہسپتال میں داخل تھے۔ ابھی ابھی ڈاکٹر کا فون آیا ہے کہ ان کی وفات ہوگئی۔ کہنے لگا: میں بڑا حیران ہوا کہ نوجوان بیٹے کو باپ کی وفات کی خبر ملی اور وہ ٹس سے مس نہیں ہوا۔ بہرحال میں نے اس سے کہا کہ میں چلتا ہوں آپ کو تو جانا ہوگا۔ وہ کہنے لگا: نہیں نہیں! آپ بیٹھیں، مجھے نہیں جانا۔ میں نے کہا: کیا آپ نے ان کی لاش لینے اور کفن دفن کا سلسلہ کرنے نہیں جانا؟ کہنے لگا: نہیں نہیں! میں نے ڈاکٹر کو فون کر دیا ہے کہ میں مصروف ہوں، وہ کسی funeral services (کفن دفن کا انتظام کرنے والی کمپنی) کو فون کردے، تاکہ وہ لوگ اس کو لے جائیں اور کفن دفن کا انتظام کر دیں اور میں نے ڈاکٹر کو کہہ دیا ہے کہ بل مجھے جمع کروانے کے لیے بھیج دینا۔

یہ بھی ایک معاشرہ ہے کہ جس میں باپ اور بیٹے کا یہ تعلق ہے کہ جوان بیٹے کے

پاس اتنی بھی فرصت نہیں کہ وہ ہسپتال جا کے آخری مرتبہ اپنے باپ کا چہرہ ہی دیکھ لے۔ وہ کہتا ہے کہ میں نے انہیں کہہ دیا ہے کہ تم ان کو دفن کر دینا اور مجھے بل بھیج دینا، میں اسے جمع کروادوں گا۔

انوکھا مقدمہ:

1985ء کے قریب کی بات ہے کہ امریکہ کی ایک ریاست Connecticut (کونیکٹکٹ) میں ایک ماں نے اپنے بیٹے پر کیس (مقدمہ) کیا۔ ماں نے کہا: میرا خاوند فوت ہوگیا اور میں اپنے جوان بیٹے کے ساتھ ایک گھر میں رہتی ہوں۔ میرا کیس (مقدمہ) یہ ہے کہ میرے اس بیٹے نے ایک کتا پالا ہوا ہے، یہ دن میں تقریباً دو سے تین گھنٹے اس کتے کے ساتھ گزارتا ہے، اس کو نہلاتا ہے، کھانا کھلاتا ہے اور بھگانے کے لیے باہر بھی لے کے جاتا ہے۔ میں اس کی ماں ہوں، جب میں اسے کہتی ہوں کہ بیٹا! دن میں پانچ منٹ کے لیے میرے کمرے میں بھی آجاؤ، تاکہ میں تمہارا چہرہ دیکھ سکوں تو یہ میری بات نہیں مانتا۔ لہٰذا عدالت اس کو حکم دے کہ دن میں پانچ منٹ کے لیے یہ مجھے ضرور ملا کرے اور مجھے چہرہ تو دکھا دیا کرے۔

اب اس پہ بیٹے نے بھی وکیل کیا اور ماں نے بھی وکیل کیا اور اس کی تفصیلات ٹی وی پہ پوری قوم کو دکھائی گئیں۔ تقریباً ایک سال لمبا کیس چلنے کے بعد جج نے یہ فیصلہ کیا کہ کتا چونکہ لڑکے نے خود پالا ہے، لہٰذا کتا اس کی ذمہ داری ہے۔ چاہے تین گھنٹے لگیں یا پانچ گھنٹے لگیں، بہرحال یہ اس کو لگانے پڑیں گے اور کتے کا خیال رکھنا پڑے گا۔ جہاں تک بوڑھی ماں کا تعلق ہے تو یہ بچے کی ذمہ داری نہیں ہے۔ اگر اس کو کوئی مسئلہ ہے تو درخواست دی جائے، تاکہ حکومت اس عورت کو Old age home میں بھیج دے۔ ہم

بچے کو نہیں کہہ سکتے کہ وہ پانچ منٹ کے لیے اپنی ماں کے پاس ضرور جائے۔ یہ بچے کی اپنی مرضی پہ منحصر ہے چاہے جائے یا نہ جائے۔ اب جہاں ماں اور بیٹے کا یہ تعلق ہوگا وہاں ماں باپ کی کیا عزت وقدر ہوگی؟

برِّوالدین کے ساتھ حسنِ سلوک، اہلِ مغرب کی نئی تحقیق:

جب انہوں نے دیکھا کہ بچے بالکل ہی ماں باپ سے کٹ گئے اور ماں باپ کو جواب دیتے ہیں کہ آپ اپنی زندگی گذاریں اور مجھے میری زندگی گذارنے دیں تو پھر انہیں محسوس ہوا کہ ہم نے بہت زیادہ کرلیا ہے۔ بچوں کو اتنی آزادی نہیں دینی چاہیے۔ جوان خون غلط فیصلہ لے لیتا ہے، لہٰذا ان کا کوئی نہ کوئی سرپرست ہونا چاہیے یعنی کوئی نہ کوئی سمجھانے والا ہونا چاہیے۔ چنانچہ آج کل کفر کے ماحول میں جو ریسرچز آرہی ہیں، اس میں نئے سرے سے پھر بچوں کو کہا جارہا ہے کہ تم اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو، ان کے ساتھ اچھا تعلق رکھو اور ان کی باتوں کو سنا کرو۔

ایک ریسرچ ہے:

Duties of a son towards the parents.

''بیٹے کو اپنے والدین کے حقوق کیسے ادا کرنے چاہئیں۔''

یہ کفر کی دنیا کی ریسرچ ہے۔ وہ کہتے ہیں:

You should serve your parents.

''تم اپنے ماں باپ کی خدمت کرو۔''

Don't forget parents are getting old.

''یہ نہ بھولو کہ ماں باپ وقت کے ساتھ ساتھ بوڑھے ہورہے ہیں تو ان کو خدمت کی

زیادہ ضرورت ہے۔"

چین نے ایک نیا قانون بنایا ہے:

Children have to take care of physical and emotional needs of the parents, if they do not visit them often, they will have to pay fine and they can be sent to the jail.

"بچوں کو اپنے والدین کو جذباتی سہارا دینا پڑے گا اور ان کی خدمت بھی کرنی ہوگی۔ اگر بچے اپنے ماں باپ کو نہیں ملتے یا ان سے تعلق نہیں رکھتے تو ان کو جرمانہ بھی ہوسکتا ہے اور ان کو جیل بھی جانا پڑے گا۔"

یوکرین میں ایک قانون بنا:

Parents can sue their children for financial support.

"اگر بچے ماں باپ کا خیال نہیں رکھتے تو ماں باپ ان سے مالی مدد حاصل کرنے کے لیے ان پر مقدمہ بھی کر سکتے ہیں۔"

جاپان میں جہاں پر تیزی سے بوڑھے لوگوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے وہاں پر ایک قانون بنایا گیا:

That government will help them to get caretaker for their parents.

"اگر بچے خود اتنا بوجھ نہیں اُٹھا سکتے تو وہ حکومت کو درخواست دیں گے اور حکومت ان کی مدد کرے گی، تا کہ ان کے ماں باپ کا خیال رکھنے والا کوئی ہو۔"

بوڑھے لوگوں کی دیکھ بھال:

بہرحال اس سے یہ ثابت ہوا کہ کفر کو قانون بنانے پڑے کہ بچوں کو ماں باپ کا خیال

رکھنا پڑے گا۔اس وقت جاپان میں جو سب سے اچھی کمپنیز چل رہی ہیں، یہ وہ کمپنیز ہیں جو بوڑھے لوگوں کو خدمت گار مہیا کرتے ہیں۔یعنی دو گھنٹے کے لیے یا ایک گھنٹے کے لیے بکنگ کروائی جاتی ہے اور بوڑھے بندے نے گھر کے جس کام کے لیے بکنگ کروائی ہو تو کوئی بندہ آئے گا اور اس کام کو اتنی دیر میں کر کے چلا جائے گا۔

فرض کرو کہ اس نے بکنگ کروائی کہ مجھے باتیں کرنی ہیں تو ایک گھنٹے کے لیے ایک عورت آئے گی، اس سے فیس لے گی اور اس کے ساتھ کسی بھی موضوع (سیاست یا اس کے کسی بھی پسندیدہ مشغلے) پہ بات کرے گی اور بات چیت کر کے گھڑی دیکھ کے پورے ایک گھنٹے کے بعد واپس چلی جائے گی۔یعنی بوڑھے ماں باپ ساتھی کے لیے ترس رہے ہوتے ہیں۔یہ کمپنیاں جاپان میں سب سے زیادہ فروغ پا رہی ہیں۔

فرانس اور جرمنی نے اب نیا قانون بنایا ہے:

Government has to take care of the elderly people.

''حکومت بوڑھے لوگوں کی دیکھ بھال خود کرے گی۔''

مسلمان معاشرہ اور دین اسلام کی تعلیمات

دینِ اسلام کی خوبصورتی دیکھیے: شریعت نے کہا کہ چونکہ ماں باپ نے بچوں کو پالا پوسا، بڑا کیا، تعلیم دلائی، ان کو کسی قابل بنایا، لہٰذا ان کی اس قربانی کو بھولا نہیں جا سکتا۔

والدین کے ساتھ ادب و احترام سے پیش آئیں:

چنانچہ اب یہ بچے اگر بڑے ہو جائیں تو ان کو چاہیے کہ اپنے ماں باپ کا ادب کریں، ان کی عزت کریں اور ان کی خدمت کو اپنی سعادت سمجھیں۔شریعت نے تو

یہاں تک کہا:

﴿فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا﴾[الاسراء:۲۳]

''تو انہیں اُف تک نہ کہو، اور نہ انہیں جھڑکو۔ بلکہ ان سے عزت کے ساتھ بات کیا کرو۔''

جس طرح کوئی غلام اپنے آقا سے احترام کے ساتھ بات کرتا ہے، تم اپنے ماں باپ کے ساتھ اسی طرح احترام سے بات کرو۔

جنت، ماں کے قدموں تلے:

شریعت تو کہتی ہے:

((اَلْجَنَّةُ تَحْتَ أَقْدَامِ الْأُمَّهَاتِ.)) [المقاصد الحسنۃ للسخاوی:۱/۲۸۷]

''جنت (تمہارے لیے) ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔''

قدموں کا تذکرہ اس لیے کیا گیا کہ انسان کے جسم میں قدم سب سے نیچے ہوتے ہیں۔ اگر اس سے بھی نیچے کوئی چیز ہوتی تو شاید اس کا تذکرہ کر دیا جاتا۔ اس کا مطلب یہ کہ ماں باپ کے سامنے انسان جتنا بچھے گا، شریعت اس کو اتنا ثواب دے گی۔ کتنی خوبصورت شریعت ہے!!!

والدین کو دیکھنا بھی عبادت ہے:

نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

((مَا مِنْ وَلَدٍ بَارٍّ يَنْظُرُ إِلَى وَالِدَيْهِ نَظْرَةَ رَحْمَةٍ إِلَّا كَانَ لَهُ بِكُلِّ نَظْرَةٍ حَجَّةٌ مَبْرُوْرَةٌ. قَالُوْا وَ إِنْ نَظَرَ إِلَيْهِمَا كُلَّ يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ؟ قَالَ: نَعَمْ اَللّٰهُ أَكْبَرُ وَ أَطْيَبُ.)) [شعب الایمان للبیہقی، حدیث:۷۸۵۹]

''جو فرمانبردار بیٹا والدین کی طرف رحمت کی نظر سے دیکھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہر نظر

کے بدلہ میں مقبول حج کا ثواب لکھتے ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: اگر چہ دن میں سو مرتبہ دیکھے، تب بھی؟ ارشاد فرمایا: جی ہاں! اللہ تعالیٰ زیادہ عطا کرنے والا ہے اور پاکباز ہے۔"

جن کے چہروں کو محبت کی نظر سے دیکھنا عبادت ہے، ان کی خدمت کرنے سے اللہ کتنے راضی ہوں گے۔ تو دینِ اسلام نے ایسی تعلیم دی کہ جو ہر دور اور ہر زمانے میں بہترین تعلیم ہے۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

((ثَلَاثُ دَعَوَاتٍ مُسْتَجَابَاتٌ لَا شَكَّ فِيهِنَّ: دَعْوَةُ الْمَظْلُومِ وَدَعْوَةُ الْمُسَافِرِ وَدَعْوَةُ الْوَالِدِ عَلَى وَلَدِهِ.)) [سنن الترمذی، حدیث:۱۹۰۵]

"تین دعائیں قبول ہونے میں کوئی شک نہیں: ایک مظلوم کی بددعا، دوسری مسافر کی دعا اور تیسری والد کی بیٹے کے لیے بددعا۔"

کبھی اللہ اس کو رد نہیں فرماتے، ہمیشہ قبول فرماتے ہیں۔

باغ لگانے کی اتنی خوشی نہ ہوتی:

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اُسامہ رضی اللہ عنہ نے ایک باغ لگانا تھا تو اس کے لیے وہ بہترین نسل کی کھجوریں لے کے آئے کہ میں کھجوریں زمین میں ڈالوں گا اور اس سے درخت بنیں گے تو ان کا مجھے پھل ملا کرے گا۔ لہٰذا اس کے لیے انہوں نے ایک ہزار درہم یا دینار خرچ کیے۔ جب وہ کھجوروں کی بوریاں گھر لے کر آئے تو والدہ نے کھجوریں دیکھیں تو ان کو چکھا اور ان کو وہ بہت اچھی لگیں۔ حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ نے اپنی والدہ کو بتانا بھی گوارا نہ کیا کہ یہ میں نے باغ لگانے کے لیے بیج کے طور پہ منگوائی ہیں، کھانے کے لیے نہیں منگوائیں۔ ایک ہزار درہم کی کھجوریں ان کی والدہ نے کھالیں اور وہ خاموش رہے۔ کسی نے پوچھا: آپ نے باغ لگانا تھا؟ تو وہ کہنے لگے: مجھے باغ لگانے کی اتنی خوشی نہ ہوتی، جتنی خوشی مجھے اس بات کی

ہے کہ میری والدہ کو کھجوریں پسند آئیں اور انہوں نے ان کو کھالیا۔

[تاریخ دمشق لابن عساکر: ۸/ ۸۲]

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور والدہ کا احترام:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ جب بھی اپنے گھر سے باہر نکلنے لگتے تھے تو ہمیشہ پہلے اپنی والدہ کے پاس جاتے تھے، ان کو سلام کرتے، ان کو بتاتے اور پھر گھر سے جاتے تھے اور جب گھر واپس آتے تھے تو پہلے اپنی والدہ کو سلام کرتے اور ان سے بات کرتے۔ اپنی والدہ کا وہ اتنا احترام فرماتے تھے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا والدہ کی تسلی کے لیے مجاہدہ!

سیدنا امامِ اعظم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی والدہ کا بہت احترام کرتے تھے۔ اللہ کی شان کہ امامِ اعظم جوانی کی عمر میں ہی بہت بڑے فقیہ بن گئے تھے اور ان کا فتویٰ چلتا تھا۔ 120 ہجری سے ان کا فتویٰ چلنا شروع ہوا، وہ اپنے استاد کی مسند پر بیٹھ گئے اور ان کا باقاعدہ فتویٰ چلتا تھا۔ اب گھر میں کبھی والدہ کو مسئلہ پوچھنا ہوتا تو والدہ اپنے بیٹے سے بھی پوچھ سکتی تھیں، مگر ایک اور بڑی عمر کے فقیہ عالم تھے اور والدہ کے دل میں ان کی عقیدت تھی کہ وہ بڑے پُرانے عالم ہیں، لہٰذا وہ پکا مسئلہ بتائیں گے۔ تو والدہ اپنے بیٹے سے کہتیں: نعمان! مجھے ان کے پاس لے چلو، میں نے ان سے کچھ مسائل پوچھنے ہیں۔ تو امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ اپنی والدہ کے لیے اونٹ منگواتے، ان کو اونٹ پہ سوار کرتے اور اونٹ کی نکیل خود پکڑتے اور ان کو لے کے چلتے۔ راستے میں امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے کئی شاگرد ملتے۔ وہ کہتے: حضرت! ہم اونٹ کی نکیل لے کے چلتے ہیں۔ فرماتے: نہیں! چونکہ میری والدہ سوار ہیں، لہٰذا اس اونٹ کی نکیل میں ہی پکڑ کے چلوں گا۔ جب اس فقیہ کے پاس پہنچتے تو دروازہ کھٹکھٹاتے۔ وہ باہر آتے تو آپ بتاتے

کہ میری والدہ آپ سے مسئلہ پوچھنے کے لیے آئی ہیں۔ کئی مرتبہ مسئلہ ایسا ہوتا تھا کہ ان کو بھی نہیں سمجھ آتا تھا پھر وہ امامِ اعظم کو اشارہ کرتے کہ مجھے تو اس کے جواب کا نہیں پتا۔ امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ آہستہ آواز میں ان کو مسئلہ بتادیا کرتے تھے اور پھر وہ اونچی آواز سے امام صاحب کی والدہ کو مسئلہ بتاتے۔ ساری عمر ایسا ہوتا رہا، مگر امام صاحب نے اپنی والدہ کو یہ نہ بتایا کہ امی جو مسئلہ پوچھنے جارہی ہیں وہ آدمی تو مجھ سے پوچھ کے مسئلے کا جواب دیتا ہے۔ صرف اس لیے خاموش رہے کہ اگر میری والدہ کو تسلی اسی طرح ہوتی ہے تو ان کے دل کی خوشی کا ہونا زیادہ ضروری ہے۔

عمر بھر والدہ کے سامنے آواز بلند نہ کی:

محمد ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے ''تعبیر الرؤیا'' کتاب لکھی ہے۔ ان کے بارے میں ان کی بہن حفصہ بنتِ سیرین کہتی ہیں کہ اپنی والدہ سے گفتگو کرتے ہوئے وہ اتنا آہستہ بولتے تھے کہ ہم حیران ہوتے تھے۔ زندگی بھر انہوں نے اپنی آواز اپنی والدہ کی آواز سے بلند نہیں کی۔ اتنا ان کا احترام کرتے تھے کہ ان کی والدہ کو کچھ خاص ڈیزائن والے کپڑے بڑے پسند تھے۔ جب ابنِ سیرین رحمۃ اللہ علیہ کو پتا چلا کہ میری والدہ ایسے رنگ والے کپڑے پہننا پسند کرتی ہیں تو وہ رنگ ریز کے پاس رنگ سیکھنے کے لیے گئے اور اس کے بعد اپنی والدہ کے کپڑے وہ خود رنگا کرتے تھے، تاکہ میری والدہ اس رنگ کے کپڑوں کو پہنیں اور ان کو خوشی ملے۔

ماں کی دعا نے ''شکر گنج'' بنادیا:

بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ بڑے مشائخ میں سے گزرے ہیں۔ بہت شیریں زبان تھے، بات

ایسے انداز سے کرتے تھے کہ دوسرے بندے کا دل موہ لیتے تھے۔ایک مرتبہ انہوں نے بڑی محبت سے اپنی والدہ سے بات کی تو ماں نے کہا: بیٹا! تو بفضلِ خدا شکر کی طرح شیریں ہی رہے گا۔ان کی ماں کی دعا اس طرح قبول ہوئی کہ آج بھی اِن کو مرنے کے بعد بابا فرید شکر گنج کہتے ہیں۔اللہ نے شکر کو نام کا حصہ بنا دیا۔

کفر کی نظر میں والدین کی خدمت:

کفر کے ماحول میں ایک نئی Scientific research (سائنسی تحقیق) ہے کہ آپ اپنے والدین کی خدمت کیسے کر سکتے ہیں؟ دینِ اسلام نے تو بتا دیا کہ آپ ان کو اپنے ساتھ رکھیں، ان کی باتوں کو سنیں اور ان پر عمل کریں، ان کو خوش رکھیں، ان کی خدمت کریں جتنا ان کو آپ خوش رکھیں گے آپ گویا اپنے پروردگار کو خوش رکھیں گے۔ لیکن کفر کے ماحول میں چونکہ معاملہ تھوڑا مختلف ہے، لہٰذا انہوں نے ریسرچ کی کہ باپ کی خدمت ایک بیٹا کیسے کر سکتا ہے؟

.....پہلی بات وہ کہتے ہیں کہ باپ کی خدمت اس طرح کی جا سکتی ہے کہ اپنے ماں باپ کے لیے ڈاکٹر سے Appointment (ملاقات کی تاریخ) لی جائے۔

آپ ان نکات کو سنیں گے تو آپ کو ہنسی آئے گی کہ یہ ماں باپ کی مدد کرنے کا طریقہ ہے کہ ماں باپ چونکہ بوڑھے ہیں اور ان کے لیے فون کرنا، باتوں کو یاد رکھنا اور دوسرے سے بات کرنا مشکل ہے، لہٰذا آپ ان کی ایسے مدد کریں کہ ان کے لیے ڈاکٹر سے اپوائنٹمنٹ آپ لیا کریں۔

.....پھر بوڑھی عمر میں چونکہ انسان کی یادداشت کافی ختم ہو جاتی ہے تو اس کے لیے Omega 3 fatty acid والی چیزیں جیسے مچھلی اور اس قسم کی غذائیں ان کو کھلانی

چاہیں، تاکہ ان کی یادداشت کے ختم ہونے کے عمل کو کم کیا جاسکے۔
⟴.....پھر اپنے ماں باپ کو ٹیکنالوجی سے Update (آگاہ) رکھیں۔ یعنی بوڑھے بندے کو آئی فون (Iphone) لے کے دیں اور ان کو چلانا سکھائیں اور ان کو کہیں کہ اپناWhatsApp گروپ بنائے۔
⟴.....پھر ایک اور بات:

Work with their pharmacist.

''جو اُن کا دوائیاں دینے والا بندہ ہے، اس کے ساتھ تعلق رکھیں۔''

یہ بہت اچھا پوائنٹ ہے چونکہ وہ چاہے کسی بھی مرض کے لیے کسی بھی ڈاکٹر کو دکھائیں گے، لیکن دوائی تو انہوں نے ایک ہی فارمیسی کی دکان سے لینی ہے۔ اور فارماسسٹ کو پتا ہوتا ہے کہ کس بندے کو کس کس بیماری کے لیے کون کون سی دوائیں دی جارہی ہیں۔ تو ان کے ساتھ اگر رابطہ رکھیں گے تو ماں باپ کی بیماریوں کا اور ان کی صحت کا اچھا پتا چلتا رہے گا۔
⟴.....پھر ایک ریسرچ یہ ہے کہ ان کے لیے ڈرائیور کا بندوبست کریں۔
⟴.....ایک ریسرچ یہ بھی ہے کہ ماں باپ سے محبت کا اظہار بھی کریں۔

یہ بہت اچھا نکتہ ہے۔ نوجوان بچے کئی مرتبہ سوچتے ہیں کہ ہم تو ماں باپ سے بہت محبت کرتے ہیں، مگر محبت اظہار چاہتی ہے۔ نوجوان اظہار نہیں کر پاتے، یہیں پہ غلطی کرتے ہیں۔

محبت اظہار چاہتی ہے:

ایک مرتبہ میں کتاب کا مطالعہ کر رہا تھا۔ محمد سرمد کی عمر اس وقت دو سال کی تھی۔ وہ

میرے کمرے میں آیا، سلام کیا تو میں نے جواب دے کر دوبارہ کتاب پڑھنی شروع کردی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ واپس چلا گیا۔ میں نے سوچا کہ بچہ ہے، باہر جا کے کھیل رہا ہوگا، مگر کچھ دیر بعد وہ اپنی ماں کے ساتھ روتا ہوا آیا۔ میں نے پوچھا: یہ رو کیوں رہا ہے؟ اس کی والدہ نے کہا: یہ میرے پاس آیا ہے اور کہہ رہا ہے کہ اب دادا ابو مجھ سے پیار نہیں کرتے۔ میں اس کو لے کے آئی ہوں کہ تم یہ بات کیوں کہہ رہے ہو؟ میں نے اس سے پوچھا: محمد سرمد! آپ یہ بات کیوں کہہ رہے ہیں؟ اس نے مجھے آگے سے جواب دیا: دادا ابو! میں آپ کے پاس روزانہ آتا ہوں تو آپ مجھے گلے لگاتے ہیں، پیار کرتے ہیں تو مجھے پتا چلتا ہے کہ آپ مجھے پیار کرتے ہیں۔ آج میں آیا ہوں تو آپ کتاب پڑھ رہے تھے۔ میں نے جب سلام کیا تو آپ مجھے جواب دے کے پھر کتاب ہی پڑھتے رہے۔ تو آج مجھے محسوس ہوا کہ اب آپ مجھ سے محبت نہیں کرتے۔

اگر ایک چھوٹا بچہ بھی اس چیز کو محسوس کرتا ہے کہ دوسرا بندہ محبت کا اظہار کیوں نہیں کر رہا؟ تو ماں باپ کو تو بڑھاپے میں اس کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ لہٰذا ماں باپ کے سامنے محبت کا اظہار کرنا چاہیے۔ زبان سے کہنا بھی چاہیے کہ ہمیں آپ سے محبت ہے، ہم آپ کی عزت کرتے ہیں۔ نیز ان کو کبھی کبھی ان کی طبیعتوں کے موافق کچھ تحفے بھی لے کے دینے چاہییں۔ چونکہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((تَهَادَوْا تَحَابُّوْا.)) [الادب المفرد، حدیث: ۵۹۴]

''ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کرو، اس سے آپس میں محبت بڑھے گی۔''

والدین کو خوش رکھنا۔ ایک عظیم عمل:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں

بیعت کے لیے حاضر ہوا اور کہنے لگا: میں ہجرت پر آپ سے بیعت کرنے کے لیے آیا ہوں اور (میں نے بڑی قربانی دی ہے کہ) اپنے والدین کو روتا ہوا چھوڑ کر آیا ہوں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: واپس جاؤ اور جیسے اُنہیں رلایا ہے، اسی طرح انہیں ہنساؤ۔

[مسند احمد بن حنبل، حدیث:۶۹۰۹]

یوں نبی کریم ﷺ نے بات سمجھائی کہ ماں باپ کے دل کو خوش کرنا، بہت عظمت والا کام ہے۔

والدین کا احترام کیا جائے، گو وہ کافر ہوں:

اسماء رضی اللہ عنہا سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی بڑی بیٹی تھیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بڑی بہن تھیں۔ ان کی والدہ نے اسلام قبول نہیں کیا تھا، وہ مشرکہ ہی تھیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ ان کی والدہ ان کو ملنے کے لیے آئیں تو اسماء رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ سے پوچھا: اے اللہ کے حبیب! میری والدہ میرے پاس مہمان آرہی ہیں اور وہ مشرکہ ہیں تو میرے لیے کیا حکم ہے؟ نبی ﷺ نے فرمایا: اگرچہ وہ مشرکہ ہیں، اسلام ابھی قبول نہیں کیا، مگر تم ان کی خدمت کرو۔ اس لیے کہ وہ تمہاری ماں ہیں۔

[صحیح بخاری، حدیث: ۳۱۸۳ باب الهدية للمشركين]

تو دینِ اسلام کی خوبصورتی دیکھیں کہ ماں باپ اگر کافر بھی ہوں، تب بھی شریعت ان کا احترام سکھاتی ہے۔ فرمایا گیا:

﴿وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا﴾ [لقمان:۱۵]

''اور دنیا میں ان کے ساتھ بھلائی سے رہو۔''

یعنی تم دنیا کے اندر ان مشرک ماں باپ کے ساتھ بھی مناسب زندگی گزارو، اچھی

زندگی گزارو اور ان کا احترام دل میں رکھو۔

بیٹا باپ کا آئینہ ہوتا ہے:

کہتے ہیں کہ بیٹا اپنے باپ پہ جاتا ہے۔ چنانچہ عربی کا ایک مقولہ ہے:

''اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْہِ.'' ''بیٹا اپنے باپ کا راز ہوتا ہے۔''

انگریزی کا ایک مقولہ ہے:

The Apple does not fall far from the tree.

''سیب درخت سے بہت دور نہیں گرتا۔''

سیب گرتا ہے تو درخت کے قریب ہی گرتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بیٹا اپنے باپ کے اخلاق کے قریب ہی ہوتا ہے۔ اسی لیے جو نیک لوگوں کی اولادیں ہوتی ہیں ان کو تھوڑی محنت کرنی پڑتی ہے اور اللہ اس پر ان کے ساتھ زیادہ مہربانی فرما دیتے ہیں۔

ماں باپ سے بات چیت کریں:

ماں باپ کے پاس جب بیٹھیں تو اپنے بچپن کے کچھ واقعات سنائیں۔ اس لیے کہ جب آپ اپنے بچپن کے کچھ واقعات سنائیں گے تو ماں باپ آپ کے ساتھ گفتگو میں زیادہ Involve (شامل) ہو جائیں گے اور اس سے ان کو یہ پیغام ملے گا کہ آپ ان کے بچپن کے احسانات کو بھولے نہیں ہیں، بلکہ ابھی بھی یاد رکھے ہوئے ہیں۔ تو بچپن کی باتیں ماں باپ کو سنانا کہ آپ نے اس طرح مجھے چیز لے کے دی تھی، آپ نے اس طرح یہ کام کیا تھا۔ اس سے ماں باپ کو یہ پیغام ملتا ہے کہ ہم نے بچپن میں جوان کی پرورش کی تھی یہ اس کو بھولے نہیں، بلکہ ہمارے بڑھاپے میں بھی انہوں نے اس کو یاد رکھا ہوا ہے۔ اسی طرح اگر

ماں باپ دوسرے شہر یا ملک میں رہتے ہوں تو ان کو اکثر و بیشتر کال کرنی چاہیے اور ان کو اپنی خیریت کے بارے میں مطلع رکھنا چاہیے۔

والدین کے ہاتھوں کو بوسہ دیں:

ایک ریسرچ یہ بھی ہے کہ ماں باپ جب بوڑھے ہو جائیں اور بچے ان کو ملنے آئیں تو بچے صرف ان کو زبانی سلام نہ کریں، بلکہ ان کو گلے ملیں اور ان کے ہاتھوں کو چومیں۔ گلے ملنے اور ہاتھوں کو چومنے سے ان کے دماغ میں ایسے ہارمون پیدا ہوتے ہیں جس سے ان کو اپنائیت کا احساس ہوتا ہے اور ان کی صحت پہ اس کا اچھا اثر پڑتا ہے۔ جیسے چھوٹے بچے کو پیار کرنے اور گلے لگانے کا اثر ہوتا ہے، اسی طرح بوڑھوں پر بھی اس کا بہت اچھا اثر پڑتا ہے۔ لہٰذا صرف زبان سے ہی سلام کرنے کو کافی نہ سمجھے بلکہ اگر والد کو سلام کیا ہے تو ان کو گلے بھی ملے اور ان کے ہاتھوں کو بوسہ بھی دے۔ یہ محبت، پیار ان کے جسم کی گویا ضرورت بن جاتی ہے۔

محبت کی پانچ زبانیں:

آگے ایک ریسرچ ہے:

Five languages of love for parents.

''پانچ زبانیں ایسی ہیں جو محبت کی زبانیں کہلاتی ہیں اور ماں باپ پہ ان کا بہت اچھا اثر پڑتا ہے۔''

1...... پہلی بات کہ Words of affirmation (محبت سے بھرے الفاظ)

یعنی ماں باپ کو کہنا کہ ابو امی! ''I love you'' (میں آپ سے محبت کرتا ہوں) یہ

الفاظ محبت کی زبان ہیں۔

2 ......دوسری بات یہ ہے کہ اگر ماں باپ کے ساتھ آپ بُرا رویہ رکھیں تو اس سے ان کو بہت تکلیف ہوتی ہے، ان کا دل بہت دکھتا ہے۔ اگر بچے ان کو ترچھی اور غصے کی نگاہوں سے دیکھیں یا غصے کے انداز میں پوچھیں کہ کیا مسئلہ ہے؟ کیا کرنا ہے؟ کیا چاہتے ہیں؟ تو جس انداز سے آپ بات کرر ہے ہیں، یہ انداز ماں باپ کے دل کو زیادہ دکھی کرتا ہے۔ اسی لیے ہمیشہ ان کے ساتھ بات کرتے ہوئے نرمی اور محبت کے ساتھ بات کریں تا کہ ان کو یہ پیغام ملے کہ ہمارا بیٹا ہم سے محبت کرتا ہے۔

4 ......پھر ایک تیسری چیز کہ ماں باپ سے ہمیشہ بات کرتے ہوئے ان سے Eye Contact (نظریں ملا کے) رکھ کے بات کریں۔ نوجوان کئی مرتبہ اس میں بھی کوتاہی کرتے ہیں۔ باپ سے ایسے بات کرتے ہیں جیسے کسی چھوٹے بچے سے بات کرر ہے ہوں۔

ابا باپ کو انسان ہی نہ سمجھا!!!

ہمارے ہاں مشہور ہے کہ چند لوگ بیٹھے بات کرر ہے تھے تو ایک نوجوان جو باتوں میں کافی دلچسپی لے رہا تھا اس کے والد بھی آ گئے۔ جب اس کے والد آئے تو انہوں نے بھی بات میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ اب انہیں بات کرتا دیکھ کر بیٹا فوراً بولا: ابو! آپ خاموش رہیں، انسانوں کو باتیں کرنے دیں۔ یعنی باپ کی قدر کرنا تو دور کی بات، اس نے تو انہیں انسان بھی نہ سمجھا اور کہنے لگا: لوگوں کو باتیں کرنے دیں۔

اس قسم کی حرکتیں کرنے سے ماں باپ کا دل دکھتا ہے۔ ان کے ساتھ Eye contact (نظریں ملا کے بات کرنا) رکھنا چاہیے۔ جب آپ Eye contact رکھ کے بات کریں گے تو انہیں اپنائیت کا احساس ہوگا۔ خاص طور پہ ماں باپ سے بات

کرتے ہوئے محبت پیار سے بات کریں۔

4 ...... پھر ایک بات یہ بھی ذہن میں رکھیں:

Actions speak louder than words.

''الفاظ کے بجائے عمل اونچا بولتے ہیں۔''

تو اپنے عملوں سے ماں باپ کو ثابت کریں کہ آپ ان کا خیال رکھتے ہیں اور ان سے محبت کرتے ہیں۔

5 ...... بچہ اپنے ماں باپ کی خدمت میں جو سستی دکھاتا ہے تو اس سستی کو ماں باپ محبت کی کمی سمجھتے ہیں۔ نوجوان حالانکہ سستی کی وجہ سے کوتاہی کر رہا ہوتا ہے، مگر ماں باپ اس کو سستی نہیں سمجھتے، بلکہ وہ اس کو محبت کی کمی سمجھتے ہیں کہ ہمارے بچے کو ہم سے محبت ہی نہیں ہے۔ اس لیے اس کو ہمارے کاموں میں دلچسپی نہیں ہے۔ لہٰذا کبھی بھی ماں باپ کے معاملے میں سستی نہ کریں۔ اسی طرح اگر ماں باپ کو کبھی اُٹھانے یا بٹھانے کا موقع ملے تو ان کے ساتھ سختی نہ کریں۔ یعنی ایسا نہیں کہ بس زور لگا کے اُٹھا دیا اور بٹھا دیا۔ اس سے ان کو اُلٹا تکلیف پہنچتی ہے۔ لہٰذا آرام وسکون کے ساتھ بہت نرمی سے ان کی مدد کریں۔

ماں، حسنِ سلوک کی سب سے زیادہ حقدار:

Be grateful to your parents especially to your mother.

''ماں باپ کا اور خاص طور پر اپنی والدہ کا بہت زیادہ اکرام کریں۔''

ایک صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں کس کے ساتھ بھلائی اور نیک سلوک کروں؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اپنی ماں کے ساتھ۔ میں نے عرض کیا: پھر کس کے ساتھ؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اپنی ماں کے ساتھ۔ میں نے عرض

کیا: پھر کس کے ساتھ؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اپنے باپ کے ساتھ۔

[مسند احمد بن حنبل، حدیث: ۲۰۰۲۸]

تو والدہ کا تین مرتبہ تذکرہ فرمایا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ والدہ ہمارے حسنِ سلوک کی زیادہ مستحق ہوتی ہیں۔

اگر کوئی نوجوان دیکھے کہ اس کے ماں باپ غلام ہیں تو وہ ان کو خریدے اور خریدنے کے بعد آزاد کردے، تب بھی وہ ماں باپ کا حق ادا نہیں کرسکتا۔

شاید ایک درد کا بدلہ چکا دیا ہو:

چنانچہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے اپنی والدہ کو حج کروایا، اس زمانے میں مطاف کے اندر کوئی ایسا خاص ماربل نہیں تھا، بلکہ بہت گرم ہونے والا ماربل تھا اور ان کے پاس جوتے بھی نہیں تھے۔ وہ فرماتے ہیں: میں نے اپنی والدہ کو اپنی کمر کے اوپر اُٹھایا اور اس حال میں طواف کیا کہ میرے پاؤں جل رہے تھے۔ حتیٰ کہ اتنا جلنے کی کیفیت ہوئی کہ چھالے پڑ گئے۔ تو وہ نبی ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے: اے اللہ کے حبیب! میں نے اپنی والدہ کو اس طرح حج کروایا ہے اور طواف ایسے کروایا کہ میرے پاؤں جل رہے تھے۔ کیا میں نے اپنی والدہ کا حق ادا کر دیا؟ نبی ﷺ نے فرمایا: ہاں! جب تم والدہ کے پیٹ میں تھے اور تمہاری ولادت ہونے کا وقت قریب تھا تو اس وقت تمہاری والدہ کو جو درد محسوس ہوئی تھی، جس کو دردِ زہ کہتے ہیں تو جو ایک مرتبہ کوئی درد اُٹھی تھی، ہوسکتا ہے کہ اس ایک درد کا بدلہ تم نے چکا دیا ہو۔

صبر کا مظاہرہ کریں:

کئی ہزار بوڑھے لوگوں سے انٹرویو کیا گیا کہ آپ اپنے بچوں کے اندر کیا چیز دیکھنا

چاہتے ہیں؟ سب کا ایک ہی جواب تھا کہ ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے بچوں کے اندر صبر زیادہ ہونا چاہیے۔ نوجوان جلد بازی کرتے ہیں، بات نہیں سنتے، آدھی سنی اور جواب دے دیا۔ جبکہ والدین یہ چاہتے ہیں کہ بچے صبر کے ساتھ بات کو سنیں اور پھر اس کے بعد جواب دیں۔

برِوالدین کی خدمت پر ملنے والا اجر:

قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو حکم دیا تھا کہ ان کے گناہوں کے کفارے کے لیے ایک گائے کو ذبح کیا جائے۔ اس گائے کا رنگ بھی بتایا گیا اور عمر بھی بتائی گئی۔ گائے ڈھونڈنے کے لیے جب لوگ نکلے تو وہ گائے انہیں ایک بندے کے پاس سے ملی، مگر اس نے بہت زیادہ قیمت مانگی۔ اب چونکہ انہوں نے اس کو ذبح کرنا ہی تھا، لہٰذا منہ مانگی قیمت دے کر اس کو حاصل کیا۔

[تفسیر البغوی: ۱/۱۰۶]

مفسرین نے لکھا ہے کہ اتنی مہنگی گائے خریدنے کی وجہ یہ تھی کہ جس نوجوان کے پاس وہ گائے تھی، وہ اپنے ماں باپ کا بڑا اکرام کیا کرتا تھا۔ ماں باپ کے اکرام کی وجہ سے اللہ نے اس شخص کی گائے کو ذبح کرنے کے لیے متعین فرمایا، تا کہ بچے کو اپنے ماں باپ کے اکرام کی وجہ سے منہ مانگی قیمت مل جائے اور اس کو رزق کے طور پر آسانی ہو جائے۔ تو جو ماں باپ کا اکرام کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے رزق میں بھی آسانیاں فرما دیتے ہیں۔

برِوالدین کا نافرمان، اللہ کا نافرمان:

بہت سوچنے سمجھنے والی بات ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی اور فرمایا: اے میرے پیارے موسیٰ! جو میرا نافرمان ہو، مگر ماں باپ کا

فرمانبردار ہو تو میں اس کا نام فرمانبرداروں میں لکھ دیتا ہوں اور جو میرا فرمانبردار ہو، مگر ماں باپ کا نافرمان ہو تو میں اس کا نام اپنے نافرمانوں میں شمار کر لیتا ہوں۔

[احیاء علوم الدین: ۱۴۲/۳]

سختی کے بجائے نرمی:

بعض نوجوان اس وجہ سے پریشانی میں ہوتے ہیں کہ وہ دینی مجالس میں آنے کی وجہ سے دینی زندگی اختیار کر لیتے ہیں، مگر ماں باپ کی طرف سے ان کو تعاون نہیں ملتا بلکہ ماں باپ سختی کرتے ہیں۔ یہ نوجوان بڑی مشکل میں ہوتے ہیں۔ ان نوجوانوں کو چاہیے کہ یہ ماں باپ کے ساتھ سخت نہ ہوں، بلکہ ماں باپ کی سختی پر صبر کریں اور اللہ سے دعائیں مانگیں تاکہ اللہ تعالیٰ ماں باپ کے دل میں محبت بڑھا دیں اور وہ سختی کرنا چھوڑ دیں۔

کئی نوجوان چھوٹی چھوٹی باتوں پر ماں باپ کے ساتھ سختی سے پیش آتے ہیں اور جھگڑا کرتے ہیں۔ ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ ماں باپ کو جو اللہ نے رتبہ اور درجہ دیا ہے، اس کو سامنے رکھا جائے۔ اس لیے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((رِضَى الرَّبِّ فِي رِضَى الْوَالِدِ وَسَخَطُ الرَّبِّ فِي سَخَطِ الْوَالِدِ.))

[جامع ترمذی، حدیث: ۱۸۹۹]

”رب کی رضا والد کی رضا میں ہے اور رب کی ناراضگی والد کی ناراضگی میں ہے۔“

احادیث کی روشنی میں والدین کے نافرمان کی سزا

۱.....حدیثِ پاک میں ہے کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

منبر حاضر کرو۔ ہم لوگوں نے منبر لا کے رکھا۔ جب حضور ﷺ اس کے ایک درجے پر چڑھے تو فرمایا: آمین۔ جب آپ دوسرے درجے پر چڑھے تو فرمایا: آمین۔ جب تیسرے درجے پر چڑھے تو فرمایا: آمین۔ جب آپ ﷺ وعظ سے فارغ ہو کر نیچے اُترے تو ہم لوگوں نے پوچھا: یارسول اللہ! آج ہم نے آپ سے ایسے الفاظ سنے ہیں جو پہلے نہیں سنے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جبرئیل میرے سامنے آئے اور انہوں نے تین بددعائیں کیں اور میں نے تینوں بددعاؤں پر آمین کہی۔

اب آپ غور کریں کہ ماں باپ جتنا بھی بچے سے ناراض ہوں، مگر بچے کو بددعا نہیں دیتے۔ بددعا تو کوئی نیک ماں تب ہی دیتی ہے جب معاملہ حد سے گزر چکا ہو۔ اسی طرح اللہ کے حبیب ﷺ جو اُمت پر بہت رحیم اور کریم تھے، آپ ﷺ تو بددعا کے اوپر آمین نہیں فرما سکتے تھے، لیکن یہ کام تھے ہی ایسے کہ اللہ کے حبیب ﷺ نے بھی ان پر آمین کہہ دی۔ وہ تین بددعائیں یہ تھیں:

......اللہ کی رحمت سے دور ہو وہ شخص جس نے رمضان کا مہینہ پالیا اور اس کی مغفرت نہ ہو سکی۔ لہٰذا اس پر میں نے کہا: آمین۔

اس لیے کہ رمضان میں جو بندہ اللہ کے سامنے سچی توبہ کرتا ہے، اللہ اس بندے کو اپنے در سے خالی نہیں لوٹاتے۔ تو جو رمضان کے رحمت بھرے مہینے میں بھی اپنی بخشش نہ کروا سکا وہ تو بہت بدبخت انسان ہے۔ اسی لیے نبی ﷺ نے اس بددعا پر آمین کہا۔

پھر جب میں دوسرے درجے پر چڑھا تو وہ کہہ رہے تھے:

......اللہ کی رحمت سے دور ہو وہ شخص جس کے سامنے آپ کا ذکر ہو اور وہ آپ پر درود نہ پڑھے۔ لہٰذا اس پر میں نے کہا: آمین۔ اور جب میں نے تیسرے درجے پر

قدم رکھا تو جبرئیل نے کہا:

⟡.....اللہ کی رحمت سے محروم ہو جائے وہ شخص جو بوڑھے والدین کو پالے یا دونوں میں سے ایک کو پالے، پھر وہ اس کو جنت میں داخل نہ کرا سکیں۔ میں نے کہا: آمین۔

[شعب الایمان البیہقی، حدیث:۱۵۷۲]

تو ماں باپ کو بڑھاپے میں پانا اور پھر ان کی خدمت کر کے اپنی بخشش نہ کروانا، بہت بڑا جرم ہے۔

⟡.....حدیثِ مبارکہ میں ہے کہ تین طرح کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن رحمت کی نظر سے نہیں دیکھیں گے۔ یعنی تین گناہگار ایسے ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ ان کا چہرہ بھی دیکھنا پسند نہیں فرمائیں گے۔ ان میں سے ایک وہ شخص ہوگا جو ماں باپ کا نافرمان ہوگا۔ [سنن نسائی، حدیث:۲۵۶۱]

⟡.....ایک حدیثِ مبارکہ میں ہے کہ چار بندے کبھی جنت میں داخل نہیں ہوں گے (ایسا نہیں ہوگا کہ جہنم میں گئے اور کچھ عرصہ سزا کے بعد جنت میں چلے گئے۔)

1 سود کھانے والا۔ 2 شراب پینے والا۔

3 یتیم کا مال کھانے والا۔ 4 ماں باپ کا نافرمان انسان۔''

[المستدرک للحاکم، حدیث:۲۲۶۰]

⟡.....اسی طرح اللہ تعالیٰ نے سات بندوں پر لعنت فرمائی ہے اور ان سات بندوں میں سے ایک وہ ہے جو ماں باپ کا نافرمان ہوتا ہے۔

[البر والصلۃ لابن جوزی، حدیث:۸۱]

کئی گناہ ایسے ہیں کہ جن کی سزا آخرت میں ملتی ہے لیکن ماں باپ کی نافرمانی ایسا گناہ ہے کہ آخرت میں تو سزا ملے گی ہی ملے گی، مگر اللہ دنیا میں بھی اس کی سزا دیتے

ہیں، دنیا میں بھی بندہ اس سے نہیں بچ سکتا۔ ایسے شخص کو دنیا میں ہی اللہ تعالیٰ عبرت کا نشان بنا دیتے ہیں۔

آٹھ باتوں سے اجتناب کریں:

اب ایک اور ریسرچ سن لیجیے:

Eight things not to do.

''وہ آٹھ باتیں جن سے ماں باپ بہت دکھی ہوتے ہیں اور ان کو تکلیف پہنچتی ہے۔ نہیں کرنی چاہییں۔''

1...... ایک یہ کہ بیٹا باپ کو کہے:

How can you not remember that.

''آپ کو کیسے یہ بات یاد نہیں؟''

یہ فقرہ کبھی نہ بولیں۔ اس لیے کہ بڑھاپے کی وجہ سے اگر یادداشت ختم ہو چکی ہے تو یہ ان کے اختیار میں نہیں ہے۔ اگر آپ ان کو احساس دلائیں گے تو ان کو دکھ ہوگا۔ لہٰذا ماں باپ کو یہ کبھی نہ کہیں کہ آپ کو یہ بات کیوں یاد نہیں ہے؟

2...... دوسری بات ان کو یہ کہنا:

You could have done it if you tried to.

''اگر آپ تھوڑی سی ہمت کرتے تو آپ یہ کام کر سکتے تھے۔''

ماں باپ کو یہ تجویز دینے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ان کو اس بات سے تکلیف ہوتی ہے۔ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ بڑھاپا ایسی بیماری ہے کہ بندہ بتا بھی نہیں سکتا کہ مجھے کہاں تکلیف ہے؟ کئی مرتبہ تو پورا جسم ہی تکلیف کی حالت میں ہوتا ہے حتیٰ کہ ایک آدمی

بیٹھا ہوا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ میں لائٹ جلا لوں، مگر اس کے اندر اتنی ہمت نہیں ہوتی کہ وہ اُٹھ کے بجلی کا بٹن دبا سکے۔ چھوٹا سا کام ہے، لیکن بڑھاپے کی وجہ سے کئی مرتبہ یہ بھی نہیں ہوسکتا۔ تو ایسی صورت میں اگر بچہ کہے کہ آپ تھوڑی سی ہمت کرتے تو آپ یہ کر سکتے تھے تو اس سے ماں باپ کو دکھ ہوتا ہے۔ لہٰذا ایسی بات نہیں کرنی چاہیے۔

3 ...... پھر ایک فقرہ ہے:

I showed you yesterday how to use this machine.

''میں نے آپ کو کل بتایا تھا کہ یہ مشین کیسے استعمال کرنی ہے۔''

کچن کی کوئی مشین ہو، موبائل ہو یا کوئی اور ایسی چیز ہو اور آپ نے اپنے والد کو بتایا کہ آپ نے یوں کرنا ہے، لیکن اگر وہ دوبارہ پھر آپ سے پوچھتے ہیں تو آپ ان کو یہ مت کہیں کہ میں نے آپ کو کل بتایا تو تھا کہ اس کو کیسے استعمال کرتے ہیں؟ ماں باپ بھول جاتے ہیں۔ اس لیے اگر وہ دوبارہ پوچھیں تو دوبارہ بتا دینا چاہیے۔

4 ...... ایک اور فقرہ ہے:

Daddy you already told me that.

''ابو! آپ مجھے پہلے یہ بات بتا چکے ہیں۔''

کئی مرتبہ ماں باپ کوئی بات کرتے ہیں تو وہ بھول جاتے ہیں کہ ہم نے بات کی یا نہیں کی، لہٰذا وہ دوبارہ پھر بات کر دیتے ہیں۔ تو بچے تنگ ہوتے ہیں کہ آپ نے پہلے بھی تو یہ بات کی ہے۔ بھئی! اگر پہلے بھی بات کی ہے اور دوبارہ پھر کر دی تو کون سا نقصان ہوگیا؟ آپ خاموشی سے سن لیں۔

5 ...... انگریز معاشرے میں نوجوان، ماں باپ کے سامنے بہت عجیب عجیب باتیں

کر دیتے ہیں۔ چنانچہ ریسرچ میں انہوں نے لکھا کہ ہزاروں بوڑھوں کا جب انٹرویو کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ ہمیں بچے کی اس بات سے بڑا دُکھ ہوا کہ اس نے ہمیں کہا:

I want your property after you die.

''میں آپ کی موت کے بعد آپ کی جائیداد چاہتا ہوں۔''

تو بچے کی اس بات سے ماں باپ کو بہت دکھ ہوتا ہے کہ اس کو ہمارے ساتھ کوئی تعلق نہیں، اس کی نظر بس ہمارے مال پیسے پہ ہے۔ مسلمان معاشرے میں تو بچے عام طور پر ایسی بات نہیں کرتے، مگر یہ کہ کوئی بہت ہی بگڑا ہوا نوجوان ہو۔ لیکن کفر کے معاشرے میں ایسی باتیں کی جاتی ہیں۔

6 ...... کئی مرتبہ بوڑھے لوگ بچوں کے نام بھول جاتے ہیں اوران کے لیے بچوں کے نام یادرکھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ تو اگر وہ ذرا اُلٹا نام لے لیں تو اس پر ماں باپ کے ساتھ غصے کا اظہار نہیں کرنا چاہیے کہ ہم نے آپ کو پہلے بھی بتایا تھا کہ ہماری بیٹی کا یہ نام ہے، آپ یہ کیوں پکار رہے ہیں؟ تو بڑھاپے کی وجہ سے نام بھول جانا یا ملتا جلتا نام لے لینا کوئی بڑی بات نہیں ہوتی۔ اس پہ ان کے ساتھ بُرا برتاؤ نہیں کرنا چاہیے۔

7 ...... ماں باپ کو الزام مت دیں کہ آپ کی وجہ سے یہ ہوا اور اس وجہ سے یہ ہوا۔ آپ نے ایسے کیا تو یہ ہو گیا۔ ماں باپ کو بڑھاپے میں کبھی الزام مت دیں۔ اس سے ان کو تکلیف ہوتی ہے اور وہ دکھی ہوتے ہیں۔

خرچ کر کے بھی احسان مند رہیں:

ماں باپ کے اوپر اگر کسی کو پیسہ خرچ کرنے کا موقع ملے تو اس کو اپنی سعادت سمجھنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے زندگی میں یہ سعادت بخشی کہ میں اپنے ماں باپ پر کچھ پیسہ خرچ

کررہا ہوں۔ چاہے ان کے علاج معالجے پہ خرچ کریں یا ان کی ضروریاتِ زندگی پوری کرنے پہ خرچ کریں، مگر اس کو اپنی سعادت سمجھیں۔ خرچ بھی کریں اور اُلٹا ان کے احسان مند بھی ہوں کہ انہوں نے ہم سے یہ خدمت قبول کرلی ہے۔ بات پیسوں کی نہیں ہوتی، پیسوں کے ساتھ جو جذبات ہوتے ہیں وہ بہت اہم ہوتے ہیں۔

مجھ سے تو یہ بچی بہتر ہے!!

ایک دفعہ ایک نوجوان نے سوچا کہ میرے ماں باپ دوسو میل دور رہتے ہیں۔ چلو میں آج ان کو پھولوں کا گلدستہ لے کے ڈاک کے ذریعے بھیج دیتا ہوں۔ جب ان کو پھول ملیں گے اور اس کے اوپر میرا نام لکھا ہوگا تو ان کا دل خوش ہو جائے گا۔ اب یہ نوجوان پھولوں کی دکان پہ پھول لینے گیا اور اس نے ایک اچھا گلدستہ ڈھونڈا کہ میں ماں باپ کو یہ بھیجوں گا۔ جب نکلنے لگا تو اس نے تین چار سال کی عمر کی چھوٹی بچی کو دیکھا جو کھڑی رو رہی تھی۔ نوجوان نے اس سے پوچھا: بچی تم کیوں رو رہی ہو؟ بچی نے کہا: میں اپنی امی کو پھول دینا چاہتی ہوں اور پھولوں کا گلدستہ دو ڈالر کا آتا ہے، مگر میرے پاس ایک ڈالر ہے اور میں چونکہ خرید نہیں پا رہی، اس لیے میں رو رہی ہوں۔ اس نوجوان نے کہا: کوئی بات نہیں، ایک ڈالر میں دے دیتا ہوں تم پھول لے کے اپنی امی کو جا کے دو۔ اب وہ بچی پھول لے کے خوش ہوگئی۔ جب بچی نے بھی پھول لے لیے اور وہ بھی نکلنے لگی تو نوجوان نے کہا: تم کہاں جاؤ گی؟ میرے پاس گاڑی ہے میں تمہیں چھوڑ دیتا ہوں۔ بچی نے کہا: ٹھیک ہے آپ مجھے چھوڑ دیں۔ لہٰذا اس نوجوان نے بچی کو اپنی ساتھ والی سیٹ پہ بٹھالیا اور پوچھا: تم نے کہاں جانا ہے؟ لڑکی نے آبادی کے بجائے شہر سے باہر کی جگہ بتائی۔ نوجوان گاڑی چلاتا رہا، حتیٰ کہ تھوڑی دیر

کے بعد قبرستان آ گیا۔ وہ بچی گاڑی سے اُتری اور ایک قبر کے پاس گئی۔ اس نے وہ پھول قبر کے اوپر رکھے اور کہنے لگی: یہ میری ماں ہے جو چند دن پہلے فوت ہو گئی تھی۔ اب مجھے جب بھی کچھ پیسے ملتے ہیں تو میں ان کے لیے پھول خریدتی ہوں اور اپنی ماں کی قبر پہ آ کے رکھتی ہوں۔ جب بچی نے بتایا تو اس نوجوان کو خیال آیا کہ میں تو اپنے ماں باپ کو گلدستہ ڈاک کے ذریعے بھیج رہا تھا اور یہ بچی اپنی مردہ ماں کی قبر پہ خود آ کے پھول رکھ رہی ہے مجھ سے تو یہ بچی بہتر ہے۔ مجھے بھی چاہیے کہ میں اپنے ماں باپ کو جا کے یہ پھول خود پیش کروں۔ چنانچہ چھٹی کے دن اس بچے نے دو سو کلومیٹر کا سفر کیا اور اپنے ماں باپ کو اپنے ہاتھوں سے پھول پیش کیے جس سے اس کو ماں باپ کی دعائیں ملیں اور ماں باپ کا دل بھی خوش ہوا۔

لہٰذا پیسہ بھی خرچ کریں، مگر اس کے ساتھ محبت کا اظہار بھی کریں تا کہ ان کے دلوں کو خوشی نصیب ہو۔

8 ......بعض نوجوان ایسے مسائل میں پڑ جاتے ہیں کہ جس کی وجہ سے ماں باپ کے ساتھ سختی کا برتاؤ کرتے ہیں۔ ہمارا اکثر یہ تجربہ ہے کہ یہ وہ نوجوان ہوتے ہیں جو اُلٹی سیدھی محبتوں میں گرفتار ہو جاتے ہیں اور پھر ان کی بیوی ان کو ماں باپ کا دشمن بنا دیتی ہے تو وہ ماں باپ سے ایسے برتاؤ کرتے ہیں جیسے کسی دشمن سے کر رہے ہوں۔ بیوی کے کہنے پر اپنے ماں باپ سے تعلق کو توڑنا یا تعلق کا سلسلہ منقطع کر لینا، بہت بڑی بیوقوفی اور بُری بات ہے۔

والدین کے نافرمان کو دنیا میں بھی سزا ملتی ہے:

یہ بات ذہن میں رکھیے گا کہ جو بچہ ماں باپ کا احترام کرے گا اور ان کی خدمت

کرے گا تو اللہ اس کو ایسی اولاد عطا فرمائیں گے جو اس کا احترام کرے گی اور اس کی خدمت کرے گی۔ یہ سو فیصد پکی بات ہے۔ اور اگر یہ ماں باپ کا دل دکھائے گا تو اس کو اللہ ایسی اولاد دیں گے جو اس کا دل دکھائے گی۔ ماں باپ کی نافرمانی کی سزا آخرت میں تو ملے گی، مگر دنیا میں بھی مل کے رہتی ہے۔

ماں کو گلا دبانے کی دھمکی پر نوجوان کا انجام:

ہمارے ایک قریبی تعلق والے ڈاکٹر ایک دفعہ کہنے لگے: حضرت! میں آپ کو اپنا واقعہ سناؤں۔ میں نے کہا: بتائیں۔ کہنے لگے: ہمارے ہسپتال میں ایک دیہاتی نوجوان آیا جو دیکھنے میں بڑا قوی لگتا تھا، مگر اس کو ایسی بیماری تھی کہ تھوڑی دیر کے بعد اس کو محسوس ہوتا کہ میرا گلا دب رہا ہے اور وہ زار و قطار روتا ہوا کہتا کہ مجھے بچاؤ، مجھے بچاؤ، مجھے بہت تکلیف ہو رہی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کہنے لگے: جب میں نے اسے آنکھوں سے روتا اور تڑپتا ہوا دیکھا تو مجھے اس کے ساتھ ہمدردی ہوئی۔ میں اس کی بیماری کو ٹھیک کرنے میں لگا رہا اور میں پورا دن اس کے ساتھ رہا اور اس کی بیماری کے لیے دوا بھی ڈھونڈی۔ شام کا وقت ہوا تو اس نوجوان کا باپ بھی اس کو ملنے کے لیے آ گیا۔ جب اس والد نے دیکھا کہ میں اس کا اتنا خیال رکھ رہا ہوں اور سٹاف کو بھی کہہ رہا ہوں کہ اس کا بہت خیال کرو۔ اس کو یہ دو، وہ دو اور میں اسے ایک وی آئی پی Treatment (بہت زیادہ اہم مقام) دے رہا ہوں تو اس کے والد نے کہا: تمہیں اس نوجوان کے لیے اتنا تردّد کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کہنے لگے: میں نے اس کے باپ سے پوچھا: کیوں ضرورت نہیں ہے؟ اس نے کہا: اس کے اپنے اعمال اس کے سامنے آ رہے ہیں۔ میں نے پوچھا: اس کے کون سے ایسے اعمال ہیں جو اس کے سامنے آ رہے ہیں؟ اس کے والد نے بتایا کہ اس

نے محبت کی شادی کر لی تھی اور وہ عورت اچھی نہیں تھی۔ اس کی ماں اس کو سمجھاتی تھی کہ بیٹا! اس کا کردار اچھا نہیں ہے، تم نے کہاں اپنی جان پھنسالی ہے؟ مگر یہ محبت میں ایسا گرفتار تھا کہ اپنی ماں کو ڈانٹتا تھا کہ خبردار! جو میری بیوی کے بارے میں کوئی بات کی۔ اور پھر آخر اس نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ امی! اگر آپ میری بیوی کے بارے میں کوئی بات کریں گی تو میں آپ کا گلا دبا دوں گا۔ چونکہ یہ اپنی ماں کو گلا دبانے کی دھمکی دیتا تھا، لہٰذا اللہ نے اس کے گناہ کا نتیجہ اس کو دنیا میں ہی دکھا دیا اور ایسی بیماری لگی کہ خود اس نوجوان کا اپنا گلا دبتا تھا۔

جیسی کرنی ویسی بھرنی، نہ مانے تو کر کے دیکھ
جنت بھی ہے دوزخ بھی ہے، نہ مانے تو مر کے دیکھ

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے ماں باپ کا ادب کرنے، ان کی خدمت کرنے اور ان کا دل خوش کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے والدین کو نیکی اور دین والی زندگی عطا فرمائے۔ تاکہ وہ دین کے راستے میں رُکاوٹ نہ بنیں بلکہ معاون بنیں اور ہمارے لیے وہ دعائیں مانگیں تاکہ ان کی دعاؤں سے اللہ ہمارے گناہوں کو معاف فرمادے۔

ماں کے بعد خالہ کا مقام!!

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک شخص بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوا اور عرض کی: یارسول اللہ! میں نے بہت بڑا گناہ کیا ہے۔ کیا میرے لیے توبہ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہاری والدہ ہے؟ عرض کیا: نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: خالہ ہے؟ عرض کیا: جی ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پھر اس کے ساتھ حسنِ سلوک کرو۔

[جامع ترمذی، حدیث: ۱۹۰۴]

آپ سوچیں کہ اگر ماں کی بہن کی بھی دعا بچے کے بارے میں اتنی قبول ہوتی ہے تو خود ماں کی دعا کتنی قبول ہوتی ہوگی!!! خوش نصیب ہیں وہ نوجوان، جو اپنی جوانی میں اپنے ماں باپ کی خدمت کرنے کی سعادت پاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نوجوانوں کو اپنے ماں باپ کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور جو اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتے، اللہ کرے کہ وہ جلدی توبہ کرلیں اور اس گناہ کی سزا سے دنیا میں بھی بچیں اور آخرت میں بھی بچیں۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

مثالی بھائی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی أَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ ﴿۲۵﴾ وَیَسِّرْ لِیْ اَمْرِیْ ﴿۲۶﴾ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ ﴿۲۷﴾ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ ﴿۲۸﴾ وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ ﴿۲۹﴾ هٰرُوْنَ اَخِی ﴿۳۰﴾﴾

[طٰہٰ: ۲۵تا۳۰]

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ○ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِیْنَ ○
وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

بنی آدم کی رشتہ داریاں:

اللہ رب العزت نے ایمان والوں کے لیے مختلف رشتے بنائے ہیں:

⟴.....ایک رشتہ تو خون کی وجہ سے ہوتا ہے یعنی ایک ماں باپ کی اولاد، جنہیں شریعت نے بہن بھائی کا درجہ دیا ہے۔ لہٰذا ایک ماں باپ کی جتنی اولاد ہوتی ہے ان کا آپس میں بہن بھائی کا تعلق ہوتا ہے۔

⟴.....اور ایک رشتہ ایمان کا رشتہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾ [الحجرات:۱۰]

''حقیقت تو یہ ہے کہ تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں۔''

نبی کریم ﷺ نے بھی ارشاد فرمایا:

((كُوْنُوْا عِبَادَاللهِ اِخْوَانًا.)) [صحیح مسلم، حدیث:۶۶۹۰]

''اے اللہ کے بندو! آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو۔''

آج کے اس دور میں چونکہ ان تعلیمات پر زور دینے والے کم ہیں، اس لیے نوجوان بچے اپنے مَن پسند کے دوست بنا لیتے ہیں، پھر دوست قریب ہو جاتے ہیں اور ماں باپ، بہن بھائی دور ہو جاتے ہیں۔ بندہ سب سے ہٹ کٹ جاتا ہے اور ایسے تعلقات میں پڑتا ہے کہ ماں باپ اور بہن بھائی سے تعلق کمزور ہو جاتا ہے۔ اس لیے اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم ان تعلقات کی اہمیت کو سمجھیں۔

بہن بھائیوں کے درمیان محبت پیار کی اہمیت:

اگر ایک باپ کے دو بیٹے ہوں اور وہ آپس میں محبت پیار سے رہیں تو اس سے دو فائدے ہوں گے: ایک تو محبت پیار سے رہنے سے اللہ تعالیٰ خوش ہوں گے اور دوسرا ماں باپ کو بھی خوشی ہوگی۔ جب وہ دیکھتے ہیں کہ بچوں کا ایک دوسرے کے ساتھ محبت اور اتفاق کا تعلق ہے اور ایک دوسرے کے ساتھ ان کی طبیعتیں ملتی ہیں تو ماں باپ کے

دل کی خوشی بڑھ جاتی ہے۔

عجیب بات ہے کہ شیطان بھائیوں کے درمیان غلط فہمیاں ڈالتا ہے اور رشتے ناطے تڑواتا ہے۔ ایسے بھی ہم نے دیکھا ہے کہ بھائی بھائی سے بات ہی نہیں کرتا۔ اگر ایک بھائی کوئی بات کر دے یا مشورہ دے دے تو دوسرا بھائی اس طرح غصے ہوتا ہے جیسے اس نے بہت ہتک کر دی ہو۔ بہن بھائی کا آپس میں بولنے کا تعلق ختم ہو جاتا ہے۔ بچپن کی چھوٹی چھوٹی باتوں کو یاد کر کے وہ شادی کے بعد بھی ایک دوسرے کے ساتھ تعلق ٹھیک نہیں کرتے۔ یہ کتنی بیوقوفی والی بات ہے!! بچپن کی باتوں کو بچپن میں بھول جانا چاہیے۔ جب انسان بڑا ہو جائے، شادی شدہ ہو جائے تو اسے سمجھ دار لوگوں کی طرح آپس میں محبت کا رشتہ اُستوار کرنا چاہیے۔

دادا مرحوم کی اپنے بھائی سے مثالی دوستی:

میرے دادا مرحوم دو بھائی تھے اور دونوں کی آپس میں دوستی بہت مشہور تھی۔ لوگ ان کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ یہ دوست پہلے ہیں اور بھائی بعد میں ہیں۔ ہر جگہ وہ اکٹھے ہوتے، اکٹھے کھانا کھاتے، بات چیت کرتے، کہیں جانا ہوتا تو اکٹھے جاتے۔ غرض ہر وقت وہ سائے کی طرح ایک دوسرے کے ساتھ لگے رہتے۔ ان کی دوستی لوگوں کے لیے مثال تھی۔ آپس میں اتنی محبت تھی کہ جب ایک کوئی بات کر دیتا تھا تو دوسرا اس پر فوراً آمادہ ہو جاتا۔ کبھی ان کی آپس میں تلخی نہیں ہوئی تھی۔ ہمیشہ محبت سے رہتے تھے۔ ایک دوسرے کے راز و نیاز کے ساتھی تھے۔ ہم نوالہ اور ہم پیالہ تھے۔ چھوٹے بھائی حافظ قرآن تھے اور حافظ قرآن کو منزل سنانے کے لیے کسی کی ضرورت ہوتی ہے، لہٰذا وہ اپنے بڑے بھائی کو ہی منزل سناتے تھے۔ اتنی کثرت سے وہ قرآن پڑھتے اور بڑے

بھائی اتنی کثرت سے سنتے تھے کہ بڑے بھائی نے قرآن سن سن کر یاد کرلیا تھا اور آخری عمر میں دونوں بھائی حافظ بن گئے تھے۔ بڑے بھائی اکثر یہ کہا کرتے تھے کہ میری ایک تمنا ہے۔ کاش! اللہ اس کو پورا کردے۔ لوگ پوچھتے: آپ کی کیا تمنا ہے؟ وہ کہتے: میں چاہتا ہوں کہ جب میری موت آئے تو میرا چھوٹا بھائی میری نمازِ جنازہ پڑھائے۔ چھوٹا بھائی یہ کہہ کر ٹالتا کہ موت کا کس کو پتا ہے؟ مگر بڑے بھائی اس کو کہتے تھے: بس آپ ہی نے میری نمازِ جنازہ پڑھانی ہے۔ اللہ کی شان دیکھیں کہ چھوٹے بھائی کی وفات پہلے ہوگئی اور ان کی نمازِ جنازہ بڑے بھائی نے پڑھائی۔ ہم نے بھی اپنے والدین کی زبانی یہ واقعات سنے تو ہمیں محسوس ہوا کہ واقعی دو بھائیوں کے درمیان اگر محبت ہو تو اس سے صرف اللہ تعالیٰ ہی راضی نہیں ہوتے، بلکہ اللہ کے بندوں (ماں باپ) کے دل بھی خوش ہوتے ہیں۔

اُونچ نیچ یا غلطی کوتاہی کا ہوجانا، انسان کے ساتھ لگا ہے۔ انسان ضعیف البنیان اور نسیان کا پتلا ہے، بھول جاتا ہے اور کوتاہی کر بیٹھتا ہے جس سے دوسرا بندہ Hurt (دکھی) ہوجاتا ہے۔ لہٰذا غلط فہمی کا پیدا ہوجانا بڑی بات نہیں ہے، مگر شیطان چھوٹی چھوٹی باتوں کو بڑھا کر پیش کرتا ہے اور بھائیوں کے دلوں میں ایک دوسرے سے بدگمانی اور نفرتیں پیدا کرتا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم ایسے جذبات پر قابو پائیں۔

نرالی محبت کا نرالا انداز:

بھائی اور بہن کا تعلق بھی بہت محبت کا تعلق ہے۔ مگر بھائیوں کی طبیعت ایسی ہوتی ہے کہ وہ بہنوں کو خواہ مخواہ تنگ کرتے رہتے ہیں۔ یہ ان کی طبیعت کا حصہ ہوتا ہے۔ بیٹھے بیٹھے کوئی بات کردیں گے، کبھی اس کے کپڑوں پر بات، کبھی اس کے کھانے پہ بات، کبھی

اس کی چیزوں پہ بات، اس کو تنگ کرتے ہی رہتے ہیں۔ یہ ان کی عادت ہوتی ہے، مگر اس تنگ کرنے کا مطلب کوئی نفرت نہیں ہوتی، بلکہ یہ تنگ کرنا محبت کی علامت ہوتی ہے۔ ہم نے تو بعض اوقات ایسے بھی دیکھا کہ بہن Teenager (نوجوان العمر) ہے اور اس کے چہرے پہ دانے نکل آئے۔ اب ڈاکٹر اس کو کہتا ہے کہ اپنے چہرے کو Pollution (آلودگی/ جراثیموں) سے بچاؤ۔ مگر جب بھائی کو پتا چلا تو وہ اس کو تنگ کرنے کے لیے آتے جاتے اسی دانے پر انگلی رکھتا ہے۔ اب اس کے دل میں نفرت نہیں ہوتی بلکہ ایک طرف تنگ بھی کر رہا ہوتا ہے اور دوسری طرف بہن کا کوئی مسئلہ ہو تو اس کی طرفداری کرتا ہے اور اس سے ہمدردی بھی کرتا ہے۔ ماں باپ بھی اپنے بچوں کو سمجھائیں کہ یہ زندگی کا حصہ ہے۔ بیٹے کی شخصیت اور ہوتی ہے، بیٹی کی شخصیت اور ہوتی ہے۔ بیٹا Rough and tough (سخت جان) ہوتا ہے وہ Physically (اپنی طاقت کے بل بوتے پر) دوسرے کو تنگ کرتا ہے۔ کبھی کوئی چیز چھپا دی، کبھی چیز ہٹا دی، کبھی کوئی بات کر دی، مگر یہ اس کی محبت کے اظہار کا طریقہ ہے۔ بہنوں کے اندر اللہ نے نرمی رکھی ہوتی ہے وہ کہتی کم ہیں، مگر دل میں بہت کچھ رکھ لیتی ہیں۔ یہ بھی اچھا نہیں ہوتا کہ بہنیں اپنے بھائیوں کے بارے میں چھوٹی چھوٹی باتیں دلوں میں رکھیں۔ معاف کر کے اللہ کی خاطر بھول جانا چاہیے اور اس نعمت کی قدر کرنی چاہیے کہ ہمارے ایک دوسرے کے ساتھ رشتے ہیں۔

بہن بھائی ایک دوسرے کو اللہ کی نعمت سمجھیں:

ان گھروں میں جا کے دیکھیں جہاں صرف بہنیں ہیں کوئی بھائی نہیں۔ وہ بھائی کو ترستی ہیں، بھائی ایک دن کی عمر کا بھی ہو، پھر بھی بہنوں کو اپنے اوپر ایک سایہ محسوس ہوتا

ہے وہ اپنے آپ کو محفوظ سمجھتی ہیں۔ وہ سمجھتی ہیں کہ ہمارا کوئی نگران ہے، کوئی ساتھ دینے والا ہے۔ چھوٹے بھائی کا بھی ان کو بہت سہارا ہوتا ہے۔ اسی طرح جہاں صرف بھائی ہوں اور بہن نہ ہو تو دیکھا گیا ہے کہ ان بچوں کی بھی تربیت اچھی نہیں ہوتی۔ وہ بھی اکھڑ مزاج بن جاتے ہیں ایک دوسرے کے ساتھ Rough and tough (سخت مزاجی والی) زندگی گزارتے ہیں۔ ان کی زندگی میں توازن نہیں آتا۔ کسی گھر میں بہن کا ہونا، بھائی کا ہونا، اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔ اس لیے ان رشتوں کی قدر کرنی چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قدر کرنے کا حکم دیا ہے۔

یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا حسد اور ان کی دعا:

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی ان سے حسد کرتے تھے اور انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ ایسا معاملہ کیا جس کی یوسف علیہ السلام توقع بھی نہیں کرتے تھے۔ اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام کے دل پہ کیا گزری ہوگی۔ چھوٹے بھائی کو تو بڑوں سے محبت اور ہمدردی کی توقع ہوتی ہے۔ یہاں بھائی اپنے ہاتھوں سے ان کو ایک کنوئیں کے اندر پھینک کے جا رہے ہیں۔ وہ تو پھینک کے چلے گئے۔ رات ہوئی تو یوسف علیہ السلام کی پریشانی اور بڑھ گئی۔ ایک تو کنوئیں کی تنہائی ہے اور دوسرا رات کا اندھیرا ہے۔ چھوٹا بچہ تو ویسے بھی جلدی ڈر جاتا ہے۔ کنوئیں کے اندر اندھیرا ہو اور پھر رات بھی آجائے تو بڑی عمر کا مرد بھی خوفزدہ ہو جائے گا۔ بہرحال یوسف علیہ السلام بہت غمزدہ ہو گئے کہ پتا نہیں اب میرے ساتھ کیا ہوگا؟ ساری رات اسی غم کی حالت میں گزری۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ جب صبح صادق کا وقت قریب ہوا اور تھوڑی سی روشنی آئی تو کنوئیں کے اندر کی تاریکی کچھ کم ہوگئی۔ اس وقت یوسف علیہ السلام نے اللہ سے دعا

مانگی: اے اللہ! میرے اس کرب کو کم کردے اور دنیا میں جو کوئی بھی پریشان ہے اس کی پریشانی کو بھی کم کردے۔ اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کی اس دعا کو قبول کرلیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس (تہجد کے) وقت کو ایسا بنادیا کہ ہر بندے کی پریشانی اس میں کم ہوجاتی ہے۔

آپ غور کریں! گھر میں اگر کوئی فوت ہوجائے تو سارے لوگ رو رہے ہوتے ہیں، غمزدہ ہوتے ہیں، لیکن جب تہجد کا وقت آئے گا تو وہ آرام سے سوئے پڑے ہوں گے۔ اس وقت میں ان کا کرب اور پریشانی کم ہوجاتی ہے۔

ہسپتال میں مریض کو دیکھیں: سارا دن بے چین ہوگا، جیسے ہی تہجد کا وقت ہوگا تو بے چینی کم ہوجائے گی، طبیعت سنبھل جائے گی۔ صبح کے وقت اس کی Readings ذرا مناسب ہوجاتی ہیں۔

ہم نے دیکھا ہے کہ شادی کے موقع پر کئی مرتبہ نوجوان بچے بچیاں کہتے ہیں: آج تو ہم ساری رات جاگیں گے، عید کی رات کہتے ہیں: آج تو چاندرات ہے ساری رات جاگیں گے۔ خوب اودھم ہوتا ہے، ایک دوسرے سے بات چیت، کھانا پینا وغیرہ۔ لیکن جب تہجد کا وقت ہوتا ہے تو سب سوئے پڑے ہوتے ہیں۔ کوئی صوفے پہ پڑا ہے، کوئی نیچے رگ کے اوپر لیٹا ہوا ہے، کوئی بستر پہ لیٹا ہوا ہے۔ اس وقت میں ایسا سکون آتا ہے کہ سب نیند کی آغوش میں چلے جاتے ہیں۔ یہ حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا تھی جو ہر پریشان بندے کے حق میں اللہ نے قبول فرمالی۔

مثالی بھائی کیسے بنیں؟

یونیورسٹیوں کی کچھ Researches (تحقیقات) ہیں:

How can you become a good brother?

''آپ ایک اچھے بھائی کیسے بن سکتے ہیں؟''

...پہلا پوائنٹ ہے:

Be respectful towards each other.

''آپ ایک دوسرے کے ساتھ ادب واحترام کا رویہ رکھیں۔''

بھائی، بھائی کا احترام کرے۔ بھائی بہن کے ساتھ، بہن بھائی کے ساتھ عزت کا معاملہ کرے، عزت کا نام لیں، عزت سے پکاریں، عزت سے پیش آئیں۔ جیسے:

Love Begets Love and Respect Begets Respect.

''محبت دینے سے محبت ملتی ہے۔ اسی طرح جو دوسرے کی عزت کرتا ہے اس کو بھی عزت ملتی ہے۔''

...ایک اچھے بھائی کو چاہیے کہ اسکول میں اچھے Grade (گریڈ) لے، تاکہ ماں باپ کا دل بھی خوش ہو اور بہن بھائیوں کو بھی اس سے خوشی ہو۔

اگر ایک بھائی اچھے Grade (گریڈ) لیتا ہے تو اس سے دوسرے بہن بھائیوں کو خوشی ہوتی ہے۔ بہنیں اپنے circle (جان پہچان) میں اپنے بھائیوں کی کامیابیاں بتاتی ہیں کہ میرے بھائی نے اتنے نمبر حاصل کر لیے۔ اسی طرح بھائی بھی اپنے بھائی کی کامیابیوں کے بارے میں اپنے دوستوں کو بتاتا ہے۔

...پھر تیسرا پوائنٹ ہے:

Use Good Language.

''اچھی زبان استعمال کرنی چاہیے۔''

کئی مرتبہ انسان محبت دکھانے کے لیے Nick name زیادہ پکارتا ہے یا ایسا نام

کہ دوسرا چڑ جائے۔ ایسا نہیں کرنا چاہیے، بلکہ وہ نام استعمال کرنا چاہیے جس کو سُن کے دوسرے بندے کے دل میں خوشی آ جائے۔ اس لیے بہن بھائیوں کو ایک دوسرے کے ساتھ اچھی زبان استعمال کرنی چاہیے۔

.....پھر بھائی کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ:

Avoid Voilence.

''طاقت کے غلط استعمال سے گریز کرے۔''

بھائی چونکہ بہنوں کی نسبت زیادہ قوی ہوتے ہیں، اس لیے کئی مرتبہ وہ اپنی قوت کا غلط استعمال کرتے ہیں۔ ہاتھ مروڑ دیا، انگلی مروڑ دی، چٹکی کاٹ لی یا چھوٹے بھائی کے ساتھ اس طرح کا کوئی مسئلہ کر دیا۔ غرض اس قسم کی حرکتیں کرتے ہیں جس سے دوسرے بندے کو پریشانی ہوتی ہے۔ لہٰذا بھائی کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اپنی طاقت کا غلط استعمال نہ کرے۔

.....پھر پانچواں پوائنٹ ہے:

Be protective.

''محافظ بنیں۔''

ہر بھائی کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اپنے بھائیوں اور بہنوں کا محافظ بنے۔ جب کبھی غیر کا معاملہ آ جائے تو ہمیشہ اپنے بھائی کی ہمت بڑھائے، اس کے ساتھ رہے اور بُرے لوگوں سے اس کی حفاظت کرے۔

اس پر بھی بہت ریسرچ کی گئی کہ ایک بہن اپنے بھائی سے کیا لفظ سننا چاہتی ہے؟ کئی ہزار نوجوان بچیوں سے انٹرویو کیا گیا کہ آپ کیا چاہتی ہیں کہ آپ کا بھائی کیا لفظ آپ

کے سامنے بولے؟

.....بعض نے کہا: ہم یہ چاہتی ہیں کہ ہمارے بھائی ہم سے یہ کہیں:

You are valued.

''آپ کی بڑی قیمت ہے (آپ کی بہت اہمیت ہے)۔''

ہم گھر میں کوئی بے قیمت یا فالتو چیز نہیں ہیں، بلکہ ہم چاہتی ہیں کہ ہمارے بھائی ہماری عزت کریں اور ہماری اہمیت کو محسوس کریں۔

.....پھر یہ کہیں:

You are smart.

''تم بہت سمجھدار ہو۔''

.....بعض بچیوں نے کہا: ہم یہ چاہتی ہیں کہ ہمارے بھائی ہمیں یوں کہیں:

You are protected.

''تم محفوظ ہو۔''

تم کوئی غم اور فکر نہ کرو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اس سے ہمارے دلوں کو سکون اور تسلی ملتی ہے۔

.....بعض بچیوں نے کہا: ہم یہ سننا چاہتی ہیں کہ ہمارے بھائی کہیں:

You are gifted and intelligent.

''تم بڑی ذہین ہو اور تم ہمارے لیے اللہ کا تحفہ ہو۔''

اور واقعی! بہنیں بھائیوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک تحفہ ہوتی ہیں۔

.....بعض بچیوں نے کہا: ہم اپنے بھائیوں سے یہ سننا چاہتی ہیں:

You are loved.

"مجھے تم سے بہت محبت ہے۔"

یہ محبت کوئی نفسانی اور شہوانی نہیں ہوتی، بلکہ یہ بہن بھائی کی ایک پاکیزہ محبت ہے۔ جس کو شریعت نے تسلیم کیا ہے۔

چھوٹوں پر شفقت، بڑوں کا احترام:

شریعت اسلامیہ نے گھر کے بچوں کے آپس میں تعلقات کے لیے ایک بہترین اصول بتا دیا۔ یوں سمجھیں کہ سمندر کو کوزے میں بند کر دیا۔ وہ ایک چھوٹا سا اصول کیا ہے کہ بڑے چھوٹوں سے درگزر کریں اور چھوٹے بڑوں کی فرمانبرداری کریں۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا وَيُوَقِّرْ كَبِيرَنَا.)) [جامع ترمذی، حدیث: ۱۹۱۹]

"وہ بندہ ہم میں سے ہی نہیں، جو ہمارے چھوٹوں پہ رحم نہیں کرتا اور ہمارے بڑوں کا احترام نہیں کرتا۔"

آپ سوچیں! ہماری شریعت میں اس بات کی کتنی اہمیت ہے کہ چھوٹے اپنے بڑوں کا احترام کریں۔ چنانچہ شریعت کہتی ہے کہ بڑے بھائی کا احترام باپ کے مانند کرنا چاہیے۔ جس طرح اپنے والد کا احترام کیا جاتا ہے چھوٹے بہن بھائیوں کو اپنے بڑے بھائی کا احترام اسی طرح کرنا چاہیے اور بڑے بھائی کو اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کا خیال اس طرح رکھنا چاہیے جس طرح باپ اپنے بچوں کا خیال رکھتا ہے۔

نوجوان بہن بھائیوں کا تعلق کیسے بہتر بنایا جائے؟

جب بہن بھائی بڑی عمر کے (جوان العمر) ہو جائیں تو ان کا رشتہ اور پختہ ہو جاتا

ہے۔لہٰذا جوان العمر بہن بھائیوں کے درمیان کے Relationship (تعلق) کی چند باتیں ہیں:

......جن میں سے پہلا پوائنٹ ہے:

Let go of silly childhood hurts.

''چھوٹے ہوتے ہوئے ایک دوسرے کو جو تنگ کیا تھا، ان باتوں کو بھول جانا چاہیے اور جوانی کی عمر میں ان باتوں کو یاد نہیں کرنا چاہیے۔''

......پھر ایک خاص پوائنٹ ہے:

Show up for each other's big or small events.

''ہر موقعے پر ایک دوسرے کے پاس جانا چاہیے۔''

مثلاً بھائی کی زندگی کا کوئی اہم موقع ہے تو بہن کو اس میں جانا چاہیے۔اسی طرح بہن کی شادی ہوئی، بچہ ہوا یا کوئی اور ایسا موقع ہے تو بھائی کو جانا چاہیے۔ چاہے چھٹی لینی پڑے، سفر کرنا پڑے یا مشکل اُٹھانی پڑے۔مگر اس کی اہمیت دل میں ہو کہ میرے بھائی کا خوشی کا موقع ہے میں نے اس میں شریک ہونا ہے یا غم کا موقع ہے تو میں نے اس میں شریک ہونا ہے۔شریعت نے کہا کہ ایک دوسرے کے غم اور خوشی کے موقع پہ بہن بھائیوں کو شریک ہونا چاہیے۔ یہ نہ ہو کہ چھوٹے چھوٹے بہانے بنا کے انسان ایک دوسرے سے دلوں میں فاصلہ پیدا کر لے۔

......ایک اور پوائنٹ ہے:

Treat each other like equals.

''بہن بھائیوں کو چاہیے کہ ایک دوسرے کے ساتھ برابری کا معاملہ کریں۔''

ایسا نہ ہو کہ بھائی کوئی بہت ہی اونچی ہستی ہے اور بہن بہت ہی کوئی گئی گزری چیز

ہے۔ ایسا تعلق نہیں رکھنا چاہیے بلکہ بہن کی بھی عزت ہو اور بھائی کی بھی عزت ہو۔ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ برابری کا تعلق رکھیں۔

Don't discuss your relative's opinions.

''بہن بھائیوں کو چاہیے کہ اپنے رشتہ داروں کے بارے میں آپس میں گفتگو نہ کریں۔''

مثلاً بھائی کہتا ہے کہ بھابھی نے تو آپ کے بارے میں یہ کہہ دیا۔ پھر بس اس ایک فقرے کی وجہ سے بہن کا دل آگ سے بھر جاتا ہے۔ اسی طرح بہن، بھائی کے بارے میں کہے کہ تمہارے بارے میں تو ابو یہ کہہ رہے تھے، ایسے نہیں کرنا چاہیے۔ اگر کسی نے کچھ کہا بھی ہے تو بتانا ضروری نہیں ہے۔

....جب بہن بھائی بڑے ہو جائیں تو ان کے بارے میں ریسرچ کا ایک پہلو یہ ہے کہ وہ لوگوں کی باتیں ایک دوسرے پر ظاہر نہ کریں۔ کیونکہ اس سے دلوں میں فاصلے آ جاتے ہیں۔

Don't make distance an excuse for being emotionally distant.

''ظاہری فاصلوں کو ایک دوسرے سے دلوں کی دوری کا ذریعہ نہیں بنانا چاہیے۔''

ایک بہن کی شادی دوسرے شہر میں ہوگئی۔ اب بھائی دوسرے شہر میں ہے، فاصلہ تو ہے لیکن اس فاصلے کو دلوں کی دوری کا ذریعہ نہیں بنانا چاہیے۔ ایک دوسرے کے پاس ملنے کے لیے جانا چاہیے اور اپنا تعلق جوڑے رکھنا چاہیے۔

....جوان العمر بہن بھائیوں کے بارے میں ریسرچ کا ایک پہلو یہ بھی ہے:

Stay out of the family problems.

''خاندانی مسائل سے الگ رہیں۔''

جھگڑے کے وقت غیر جانبداری کا مظاہرہ:

مثلاً ماں باپ میں اگر کسی بات پہ کوئی جھگڑا ہو گیا تو اب یہ اس لڑائی کا حصہ نہ بنیں۔ کیونکہ کوئی ماں کی طرفداری کرے گا اور کوئی باپ کی طرفداری کرے گا، جس سے ان کے اپنے تعلقات بھی والدین کے ساتھ خراب ہو جائیں گے۔ اگر ماں باپ آج لڑائی جھگڑا کر بھی رہے ہیں تو تھوڑی دیر کے بعد پھر محبت پیار کی باتیں کر رہے ہوں گے۔ لہٰذا ماں باپ کے معاملات کو ماں باپ کے ساتھ رکھنا چاہیے۔ اسی طرح فیملی کا کوئی مسئلہ ہے تو بچوں کو چاہیے کہ اس ڈرامے سے اپنے آپ کو الگ رکھیں۔ جب ایک فیملی میں زیادہ لوگ ہوں تو کئی جگہوں پہ سیاست بھی چلتی ہے۔ مثلاً زیادہ بھائی ہیں اور ان کی زیادہ بیویاں ہیں تو پھر جتنے زیادہ دماغ ہوں، اتنی زیادہ سوچیں بھی ہوتی ہیں۔ ایسی صورتحال میں اپنے آپ کو گھریلو سیاست سے الگ ہی رکھنا چاہیے۔ کوئی بھی معاملہ ہو تو والدین میں سے کسی ایک کی طرفداری نہ کریں، بلکہ دونوں سے ہی محبت کا اظہار کریں۔ ان کو بتائیں کہ میرے لیے تو دونوں کی عزت کرنا ضروری ہے، میرے دل میں دونوں کی محبت ہے۔ میں کیا کروں؟ میرے دل میں تو آپ دونوں کے ساتھ ایک تعلق ہے۔ تاکہ وہ یہ محسوس کریں کہ یہ جانبدار نہیں، بلکہ دونوں کے ساتھ اس کا تعلق ہے۔

بہن بھائیوں کا تعلق بہتر بنانے کے زریں اصول

Tips for Parents to Improve Sister Brother Relationship.

''والدین کے لیے بہن بھائیوں کا تعلق بہتر بنانے کے زریں اصول۔''

کئی جگہوں پہ بہن بھائیوں کا تعلق بہت خراب ہوتا ہے۔ بہن بھائی ایک دوسرے کے ساتھ بولتے نہیں، ایک دوسرے کی مخالفت کرتے ہیں، بلکہ ایک دوسرے کے ساتھ دشمنوں کی طرح پیش آتے ہیں تو ماں باپ پریشان ہوتے ہیں۔ ان کے لیے مشورے ہیں کہ وہ اپنے بچے بچیوں کے درمیان کے تعلق کو کس طرح بہتر بنا سکتے ہیں:

✤.....ان میں سے پہلا پوائنٹ ہے:

Treat your childen fairly.

''بچوں کے ساتھ برابری کا تعلق رکھیں۔ کسی ایک کو دوسروں پر بہت زیادہ ترجیح نہ دیں۔''

✤.....دوسرا پوائنٹ ہے:

Avoid double standards between Daughter and Sons.

'دوہرا معیار نہ رکھیں کہ بیٹی کے لیے اصول اور ہیں اور بیٹے کے لیے اور۔''

چونکہ دونوں بچے ہیں۔ لہٰذا ماں باپ کو چاہیے کہ دونوں کے ساتھ برابری کا معاملہ کریں۔

✤..... پھر ایک تیسرا نکتہ بہت اچھا ہے:

Set regular family bonding time.

''ایسا وقت کہ جس میں فیملی کے لوگ ایک دوسرے کے ساتھ محبت پیار کے تعلق میں جڑتے ہیں۔ اس کو ترتیب دینا چاہیے۔''

مثال کے طور پر: کھانا کھانا ہے تو بچوں کو بتا دینا چاہیے کہ کھانے کے وقت میں ہر ایک کو حاضر ہونا پڑے گا۔ یہ نہ ہو کہ ادھر کھانے کا وقت ہے اور بیٹی اسکول کا کام نکال کے بیٹھ گئی اور بیٹا کالج کا کام نکال کے بیٹھ گیا یا اپنے دوستوں کے ساتھ فون پہ بات کرنے لگ گیا۔ بچوں کو بتا دیں کہ فون اور کالج کے کام سب اپنی جگہ، مگر فیملی کا جو کھانے کا وقت ہے اس وقت

کا سب کو احترام کرنا چاہیے اور فیملی کے سب لوگوں کے ساتھ مل کر کھانا کھانا چاہیے۔ مل کر کھانا کھانے سے دلوں کے اندر الفتیں اور محبتیں بڑھتی ہیں۔

لہٰذا ماں باپ ایک ترتیب بنا دیں کہ ہم نے اتنے بجے ناشتہ کرنا ہے اور اتنے بجے رات کا کھانا کھانا ہے۔ دوپہر کے وقت تو عام طور پہ بچے کالجوں اور اسکولوں میں ہوتے ہیں اس لیے سب کا اکٹھا ہونا ذرا مشکل ہوتا ہے، مگر جو صبح اور رات کے کھانے کا وقت ہے، اس پہ سب بچے اور ماں باپ اکٹھے بیٹھیں اور آپس میں بات چیت کریں۔ اس سے Family Bond (گھر والوں کا ایک دوسرے سے تعلق) مضبوط ہو جاتا ہے۔ بچے ماں باپ سے جڑ جاتے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ بھی ان کا تعلق مضبوط ہو جاتا ہے۔

.....پھر ماں باپ کو چاہیے:

Take your children out.

''کبھی کبھی چھٹی لے کے بچوں کو کہیں باہر لے کے جائیں۔''

جیسے Game Park (کھیلنے والا پارک وغیرہ) اس سے یہ ہوتا ہے کہ جب فیملی کے لوگ الگ ایک دوسرے کے ساتھ جاتے ہیں تو ان کا آپس کا تعلق مضبوط ہو جاتا ہے، محبت بڑھ جاتی ہے۔ لہٰذا ایسے موقعے سال میں ایک یا دو دفعہ ضرور رکھنے چاہییں۔ یہ عبادت ہے اس کو یہ نہ سمجھیں کہ وقت ضائع کرتے پھر رہے ہیں۔ یہ وقت کا ضیاع نہیں ہے بلکہ یہ گھر کے افراد کے درمیان سیمنٹ کا کام کرتا ہے اور ایسے Events (موقعوں) سے سب بچے Fresh (تروتازہ) ہو کے آتے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ ان کی محبت پیار کا تعلق بڑھ جاتا ہے اور پھر وہ سارا سال ان یادوں کو ایک دوسرے کے ساتھ Share (شیئر) کرتے رہتے ہیں۔ Water park (واٹر پارک) یا کوئی بھی ایسی جگہ جہاں بے حیائی نہ ہو۔ ایسی

جگہوں پہ بچوں کو لے کے جانا ماں باپ کی ذمہ داری ہوتی ہے۔

......پھر ماں باپ کو چاہیے کہ جب بھی بچوں کے ساتھ مل کر بیٹھیں تو کسی نہ کسی بچے کی بچپن کی باتوں اور یادوں کا تذکرہ ضرور کریں۔ بچپن کی باتوں کا تذکرہ کرنے سے بچوں کو اپنائیت محسوس ہوتی ہے اور وہ محسوس کرتے ہیں کہ ہماری فلاں بات کو یاد رکھا گیا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ دلوں میں ایک دوسرے کے لیے محبت ہے۔

......پھر ماں باپ کی ذمہ داری بنتی ہے کہ بچوں کو سمجھائیں:

How to resolve conflict.

''لڑائی جھگڑا کیسے ختم کریں؟''

عموماً بہن بھائیوں کا ایک دوسرے سے کوئی نہ کوئی مسئلہ تو بن ہی جاتا ہے، لیکن جب مسئلہ بنتا ہے تو وہ حل بھی ہوسکتا ہے۔ لہٰذا بچوں کو سمجھائیں کہ اگر کوئی مسئلہ ہو تو فوراً حل کریں۔ کچھ لینے دینے کا معاملہ کرنا چاہیے، کچھ منوا لیں، کچھ مان لیں، مگر صلح صفائی کرلیں۔ بچوں کو سمجھائیں کہ دیکھو: ہار اور جیت کی صورت اچھی نہیں ہوتی کہ ایک بندہ تو جیت رہا ہے اور دوسرا ہار رہا ہے۔ ہارنے والے کا دل جلتا رہتا ہے۔ لہٰذا بچے ایسی بات پہ آمادہ ہوں جو Winning situation (جس میں جیت کا ہی موقع) ہے اور دونوں کے لیے ہی جیتنے کا موقع ہو، تاکہ ان کو غصہ اور جلن نہ ہو اور بچے ایک دوسرے سے قریب ہو جائیں۔

......جب بھی لڑائی جھگڑے والے حالات ہوں تو ماں باپ کو چاہیے کہ کسی ایک بچے کی ہی طرفداری نہ کریں، بلکہ اس جھگڑے کو غیر جانبدار ہو کر حل کریں۔

بڑے بھائی کی اہمیت:

ایک اور پوائنٹ بڑا اہم ہے:

Why is it important to have a brother?

''بہنوں کے لیے یہ کیوں ضروری ہے کہ گھر میں بھائی بھی ہو؟''

✥.....ریسرچ کا پہلا پوائنٹ ہے:

His presence reminds you of the importance of family.

''بھائی کی موجودگی سے آپ کو فیملی کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ پوری فیملی کیسی ہوتی ہے؟''

He will fight for you even if he is fighting with you.

''بھائی ہمیشہ اپنی بہن کی طرفداری کرے گا، اگرچہ وہ اسی (بہن) کے ساتھ ہی کیوں نہ لڑ رہا ہو۔''

بھائی کا یہ معاملہ بھی ہے کہ اگرچہ بہن کے ساتھ اس کی لڑائی چل رہی ہوگی، لیکن جب کوئی تیسرا بندہ بہن کو تنگ کرنے آئے گا تو وہ بہن کی طرف سے اس کے ساتھ لڑنا شروع کردے گا۔

✥.....پھر ایک پوائنٹ ہے:

He will not judge you.

''وہ اپنی بہن کے بارے میں فیصلہ کن اندازے نہیں لگاتا۔''

✥.....پھر ایک اور پوائنٹ بھی ہے کہ جب شادیاں ہوجاتی ہیں تو:

Brother loves sister's kids as they are his own children.

''بھائی اپنی بہنوں کے بچوں سے اس طرح محبت کرتے ہیں جس طرح کہ یہ اس کے اپنے بچے ہوں۔''

اس کو اپنے بھانجے اور بھانجیوں سے ایسی محبت ہوتی ہے جیسے اپنے بیٹے اور بیٹیوں سے ہوتی ہے۔

﴾....پھر ایک پوائنٹ اور بھی ہے کہ اگر کسی وقت بچی کے لیے کوئیProposal(رشتہ) آئے تو بھائی سب سے بہترین رائے دیتا ہے۔ کیونکہ وہ عمر کے اسی حصے میں ہوتا ہے تو لڑکے کے بارے میں جلدی فیصلہ کرلیتا ہے کہ یہ کیسا لڑکا ہے؟ بہن کو بتاتا ہے کہ لڑکے کا مزاج ایسا ہے، طبیعت ایسی ہے، اس کاBack ground(پس منظر) ایسا ہے، اس کے دوست ایسے ہیں۔ بہن کو ساری معلومات والد نہیں بتا پاتا، بلکہ بھائی بتاتا ہے۔ لہٰذا بھائی کے فوائد میں سے ایک فائدہ یہ بھی ہے۔

﴾....پھر ایک فائدہ یہ بھی ہے:

He loves you unconditionally.

''بھائی اپنی بہن سے بغیر کسی وجہ کے محبت کرتا ہے۔''

He will always defend you.

''جب کوئی مسئلہ بنتا ہے تو بھائی ہمیشہ اپنی بہن کا دفاع کرتا ہے۔''

He makes you look good in the eyes of parents.

''بھائی ہمیشہ یہ کوشش کرتا ہے کہ ماں باپ کی نظر میں بہن کی عزت وقدر رہے۔''

وہ ماں باپ کی نظر میں اس کو گرنے نہیں دیتا۔ اپنے جھگڑے، اپنی لڑائیاں، اپنی باتیں ایک طرف، مگر ماں باپ کی نظر میں اپنی بہن کی عزت ہی رکھتا ہے۔

﴾....پھر ایک بات یہ بھی ہے:

He is the only person who speaks your language.

''بھائی ہی وہ بندہ ہوتا ہے جو بہن کی زبان بولتا ہے، اس کی بات سمجھتا ہے۔''

کیونکہ عمر ایک جیسی ہوتی ہے اور زندگی اکٹھے ایک گھر میں گزری ہوتی ہے۔ لہٰذا وہ ایک دوسرے کیLanguage(بات) کو جانتے ہیں۔ اس لیے بھائی ہی وہ آدمی ہوتا

ہے جو بہن کی بات سمجھتا ہے۔

✿.....پھر ایک فائدہ یہ بھی ہے:

He makes you laugh.

''بھائی عام طور پر ہنسی مزاح کی باتیں کرتے ہیں تو والدین بھی ہنستے ہیں اور بہنیں بھی ہنستی ہیں''

✿.....ایک فائدہ یہ بھی ہے:

He keeps your secret.

''بھائی اپنی بہنوں کے راز نہیں کھولتے اور نہ ہی ان کو رُسوا کرتے ہیں۔''
ان کے رازوں کو پوری زندگی اپنے دلوں میں چھپاتے ہیں۔

✿.....پھر بھائی کا ایک فائدہ یہ بھی ہے:

He values your advice.

''اگر آپ کوئی مشورہ دیں گی تو وہ ہمیشہ آپ کی رائے کا بڑا خیال رکھے گا اور اس پر عمل کرے گا۔''

✿.....اگر بھائی کے ساتھ بہن کی بات چیت ختم ہے تو:

You can patch up with your brother any time.

''آپ کسی بھی وقت اس سے معذرت کر سکتی ہیں۔''

جہاں بھائی سے تعلق ختم ہوا تھا، وہیں سے دوبارہ شروع ہو جائے گا۔ اس کو جوڑنے کے لیے ٹائم کی ضرورت نہیں ہوتی۔

✿.....پھر بھائیوں کی وجہ سے بہنوں کے اندر عاجزی وانکساری آتی ہے۔ وہ چونکہ صبر کے ساتھ ان کے ساتھ Deal (معاملات) کرتی ہیں، ان کے کام کرتی ہیں تو بچیوں کے اندر کی ego (اَنا) نارمل ہو جاتی ہے، فخر اور تکبر ٹوٹ جاتا ہے اور نفس سیدھا ہو جاتا ہے۔

○✤.....پھر ایک اور فائدہ یہ ہے:

He will go out of the way for you.

''بھائی اپنی بہن کے لیے کسی بھی حد تک جا کے اس کی مدد کر سکتا ہے۔''

اگر اپنے گھر کے بچوں کو یہ باتیں سکھائی جائیں گی تو بھائی بہنوں کا آپس کا تعلق بڑھے گا، محبت بڑھے گی اور وہ پیار سے رہیں گے۔ ماں باپ کے لیے وہ گھر جنت کے مانند ہوگا اور گھر کے سب لوگ ایک دوسرے سے محبت کی زندگی گزارنے والے بن جائیں گے۔

بھائی، مشکلوں میں سہارا بنتے ہیں:

اللہ کی شان! بھائی کا تعلق ایسا ہے کہ جب انسان پہ کوئی مشکل آتی ہے تو اس کو اپنا بھائی یاد آتا ہے۔ ہمارے ایک پنجابی شاعر نے کہا: جس بندے کا باپ زندہ ہوتا ہے اس کے سر پہ سہارا ہوتا ہے اور جس بندے کا بھائی زندہ ہوتا ہے اس کی پشت پہ سہارا ہوتا ہے، اس کو کوئی دشمن تکلیف نہیں پہنچا سکتا۔

مشکل میں بھائی ہی یاد آتے ہیں۔ اب اس کی دلیل قرآنِ پاک سے سنیے: حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر گئے، اللہ تعالیٰ نے ان کو نبوت سے سرفراز فرمایا اور حکم دیا:

﴿اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۲۴﴾﴾ [طٰہٰ: ۲۴]

''(اب) فرعون کے پاس جاؤ۔ وہ سرکشی میں حد سے نکل گیا ہے۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذہن میں یہ بات آئی کہ بچپن میں مَیں نے ایک انگارہ زبان پہ رکھ لیا تھا، جس کی وجہ سے میرا بولنا واضح نہیں ہے...... بات چیت کرتے تو تھے، مگر بہت واضح نہیں کر پاتے تھے، اس لیے کہ ان کی زبان میں تھوڑی سی لکنت تھی...... اس وقت انہیں محسوس ہوا کہ یہ ذمہ داری تو بڑی ہے اور میں اکیلا اس کو نہیں نبھا سکوں گا۔ لہٰذا

انہوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگی:

﴿رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ۝٢٥ وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي ۝٢٦ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّن لِّسَانِي ۝٢٧ يَفْقَهُوا قَوْلِي ۝٢٨ وَاجْعَل لِّي وَزِيرًا مِّنْ أَهْلِي ۝٢٩ هَارُونَ أَخِي ۝٣٠﴾

[طٰہٰ:۲۵تا۳۰]

''پروردگار! میری خاطر میرا سینہ کھول دیجیے اور میرے لیے میرا کام آسان بنا دیجیے، اور میری زبان میں جو گرہ ہے اسے دور کر دیجیے، تاکہ لوگ میری بات سمجھ سکیں۔ اور میرے لیے میرے خاندان ہی کے ایک فرد کو مددگار مقرر کر دیجیے۔ یعنی ہارون کو جو میرے بھائی ہیں۔''

دیکھیں! حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایسے وقت میں بھائی ہی یاد آیا۔ اللہ نے ان کی دعا کو قبول کر کے ان کے بھائی کو نبوت عطا فرما دی۔

نفسا نفسی کے عالم میں بھی بھائی کا خیال:

انسان دنیا میں تو ایک دوسرے کو یاد کرتا ہی ہے، مگر یہ معاملہ صرف یہیں تک نہیں ہے بلکہ اس سے بھی آگے ہے۔ چنانچہ قیامت کا دن اتنا زیادہ پریشانی اور مصیبت کا دن ہوگا کہ اس سے زیادہ بڑا پریشانی کا دن کوئی اور نہیں ہے، ہر انسان اس دن پریشان اور خوفزدہ ہوگا۔ اس خوف کی حالت میں جب اس کو محسوس ہوگا کہ میرے پاس نیکیاں تھوڑی ہیں تو وہ نیکیاں لینے کے لیے جب کسی کے بارے میں سوچے گا تو قرآنِ مجید سے ثابت ہے کہ اس کا دھیان سب سے پہلے اپنے بھائی کی طرف جائے گا۔ چنانچہ وہ اس کے پاس جائے گا اور اس سے نیکی کا سوال کرے گا، مگر اس کا بھائی اس کو نیکی دینے سے انکار کر دے گا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ۝٣٤ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ ۝٣٥﴾ [عبس:۳۴،۳۵]

''یہ اس دن ہوگا جب انسان اپنے بھائی سے بھی بھاگے گا۔ اور اپنے ماں باپ سے بھی۔''

اب دیکھیے: قرآنِ مجید کی آیت بتاتی ہے کہ اس پریشانی کے عالم میں بھی انسان کسی اور رشتہ دار (ماں یا باپ) کے پاس جانے کے بجائے سب سے پہلے اپنے بھائی کے پاس جائے گا اور جب اس سے ناامید ہوجائے گا تو پھر دوسرے نمبر پہ اپنی ماں کے پاس جائے گا۔ یہاں سے اس تعلق کی مضبوطی کا اندازہ ہوتا ہے۔ ہمیں اس تعلق کی قدر کرنی چاہیے اور گھروں میں بھائیوں کو الفت ومحبت کے ساتھ رہنا چاہیے۔ کاروباری پریشانیوں یا اختلاف کو حل کرکے ہمیشہ اس تعلق کو بہتر کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ تاکہ اس سے اللہ تعالیٰ بھی راضی ہوں اور ماں باپ بھی راضی ہوں۔

بہن بھائیوں کی محبت کے چند واقعات

بھائیوں اور بہنوں کے درمیان محبتوں کے عجیب وغریب واقعات ہیں۔ چند ایک ملاحظہ فرمائیں:

دو بھائیوں کی انوکھی محبت:

دو بھائیوں کا ایک واقعہ ہے کہ بڑے بھائی کی شادی ہوگئی اور اس کے بچے ہوگئے، جبکہ چھوٹا بھائی ابھی Job (ملازمت) کررہا تھا اور اس کی شادی نہیں ہوئی تھی۔ اسی دوران ان کے والد فوت ہوگئے تو والد کی زرعی زمین دونوں بھائیوں نے آدھی آدھی تقسیم کرلی۔ سال

کے بعد اس زمین کی فصل نکلی تو دونوں بھائیوں نے اپنی اپنی فصل کو سمیٹا، مگر جب رات آئی تو بڑے بھائی نے سوچا کہ میرے ساتھ بیٹے بھی ہیں اور وہ بھی ایک دو سال میں میرا ہاتھ بٹایا کریں گے، مجھے تو اتنی ضرورت نہیں ہے جتنی کہ میرے چھوٹے بھائی کو ہے۔ وہ بیچارہ اکیلا ہے، وہی کمائے گا اور محنت کرے گا۔ کیوں نہ میں اپنے حصے میں سے گندم کی کچھ بوریاں اپنے دوسرے بھائی کو دے دوں۔ چنانچہ اس نے اپنی پانچ بوریاں اُٹھائیں اور اپنے چھوٹے بھائی کی زمین میں جہاں بوریاں پڑی تھیں، وہاں ڈال دیں۔

اللہ کی شان کہ جب رات کا آخری حصہ آیا تو چھوٹے بھائی کے دل میں بھی یہی خیال آیا کہ ہم دو بھائی ہیں اور ہماری زمین آدھی آدھی ہے، لیکن میں تو اکیلا ہوں، میری تو اتنی ضرورت نہیں ہے، جبکہ میرا بڑا بھائی بیوی بچوں والا ہے اس کی ذمہ داری زیادہ ہے، بوجھ زیادہ ہے۔ کیوں نہ میں اپنی گندم میں سے کچھ گندم اس کے حصے میں ڈال دوں۔ چنانچہ اس نے بھی پانچ بوریاں اُٹھائیں اور رات کو ہی بھائی کی بوریوں میں جا کے ان کو ڈال دیا۔

جب صبح کا وقت ہوا اور دونوں بھائیوں نے اپنی اپنی گندم کا حساب لگایا تو حیران ہوگئے، کیونکہ ان کے حساب سے گندم کی گنتی میں سے پانچ بوریاں انہوں نے رات کو دوسرے بھائی کو دے دی تھیں، مگر صبح کے وقت ان کی کمی پوری ہوگئی تھی۔ اب دونوں بھائی بڑے حیران ہوئے کہ ہماری گندم کی پانچ بوریاں کم ہونی چاہیے تھیں، مگر یہ کم کیوں نہیں ہیں؟

اگلی رات آئی تو دونوں بھائیوں نے سوچا کہ آج ہم پھر گندم اپنے بھائی کے کھیت میں ڈال کے آجاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی شان کہ ایک نے پانچ بوریاں اُٹھائیں اور دوسرے نے بھی پانچ

بوریاں اُٹھائیں۔جب دونوں ایک دوسرے کی زمین پر جانے لگے تو راستے میں ایک دوسرے سے ملاقات ہوگئی۔ایک نے بھی پانچ بوریاں ٹریکٹر پہ اُٹھائی ہوئی تھیں اور دوسرے نے بھی اُٹھائی ہوئی تھیں۔وہ اپنے بھائی کے حصے میں ڈالنے جارہا تھا اور یہ اپنے بھائی کے حصے میں ڈالنے جارہا تھا!!!اللہ تعالیٰ ایسی سچی محبتیں ہمیں بھی عطافرمائے۔

انگریز بہن بھائی کی محبت کا واقعہ:

بہن بھائی کے درمیان محبت کا تعلق تو ہوتا ہی ہے، انسان مسلمان ہو یا نہ ہو۔ یہ قصہ انگریزوں کا ہے جس میں ایک بھائی نے اپنی بہن کے ساتھ بہت وفا کی اور بہت اچھا تعلق نبھایا۔ یہ کہانی بہن نے بیان کی ہے۔ چنانچہ وہ کہتی ہے:

میں ایک بہت ہی غریب ماں باپ کی بیٹی تھی۔ ہمارا علاقہ پہاڑی علاقہ تھا، اردگرد پہاڑ ہی پہاڑ تھے اور ان کے درمیان ایک گاؤں تھا، اس گاؤں میں ہم اپنے والدین کے ساتھ رہتے تھے۔ میں بڑی تھی اور میرا بھائی مجھ سے تین سال چھوٹا تھا۔ جب میری عمر گیارہ سال تھی تو ایک ایسا وقت آیا کہ گاؤں کی دکان کا مالک اپنی دکان پہ رومال لے کر آیا جو ریشم کے بنے ہوئے تھے اور بڑے خوبصورت ڈیزائن کے تھے۔ چنانچہ گاؤں کی ہر لڑکی کے ہاتھ میں وہ رومال تھا۔ جب میں نے دیکھا تو میرے دل میں بھی شوق ہوا کہ یہ رومال میں بھی خریدوں۔لیکن میرے پاس صرف cent50 (پچاس پیسے) تھے اور رومال کی قیمت ایک ڈالر تھی۔ لہٰذا مجھے مزید پچاس سینٹ کی ضرورت تھی، مگر مجھے ابو سے مانگتے ہوئے جھجھک محسوس ہورہی تھی۔ اس لیے جب میں اکیلی تھی تو میں نے اپنے والد کے دراز سے پچاس سینٹ چوری کر کے ایک ڈالر کا رومال خرید لیا۔اب جب میں رومال خرید کے لائی تو بھائی نے بھی دیکھا کہ یہ نئی چیز خرید کے لائی ہے۔ چونکہ میرے والد کے پاس زیادہ پیسے نہیں

ہوتے تھے، لہٰذا جب انہوں نے اپنا دراز کھولا تو انہیں فوراً پتا چل گیا کہ اس میں سے پچاس سینٹ کسی نے چرائے ہیں۔ اب میرے والد صاحب بڑے غصے ہوئے۔ انہوں نے ہم دونوں بہن بھائیوں کو بلایا اور پوچھا: تم میں سے کس نے میرے پچاس سینٹ چرائے ہیں؟ یہ سن کے میری حالت تو بے جان چیز کی طرح ہوگئی، مجھے یوں لگا کہ جیسے میرے جسم میں خون ہی نہیں رہا۔ میں بالکل خاموش کھڑی ہوگئی، رنگ پیلا ہوگیا۔ والد صاحب نے میرے بھائی کو بلایا اور اس سے پوچھا: کیا تم نے میرے پیسے چرائے ہیں؟ اس نے کہا: نہیں۔ اب ہم دونوں بہن بھائی خاموش تھے اور والد صاحب ناراض ہو رہے تھے اور کہہ رہے تھے: چوری کرنا بُری عادت ہے اور اگر ابھی سے تمہیں یہ عادت پڑ گئی تو تم اچھے انسان کیسے بنو گے؟ اور میں چوری کرنے والوں کو تو معافی نہیں دوں گا۔ میں اس کو سزا دوں گا کیونکہ میں یہ پسند نہیں کرتا کہ میرا کوئی بچہ چور بنے۔

اب والد جتنا ناراض ہو رہے تھے، اتنا میرا خوف بڑھ رہا تھا۔ اس خوف کی حالت میں میرے چھوٹے بھائی نے میرے چہرے کو دیکھا تو اس کو پتا چل گیا کہ یہ تماشا بڑی بہن نے کیا ہے۔ اس نے میرا رومال بھی دیکھا ہوا تھا۔ وہ بتا سکتا تھا کہ اس نے ایک نیا رومال خریدا ہے، مگر وہ چپ رہا۔ کچھ وقفے کے بعد والد نے دوبارہ کہا: اگر تم نہیں بتاؤ گے کہ کس نے پیسے چرائے ہیں تو میں دونوں کو سزا دوں گا۔ یہ سنتے ہی میرے چھوٹے بھائی نے ابو کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا: یہ چوری میں نے کی ہے۔ حالانکہ اس نے چوری نہیں کی تھی، مگر وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ میری بہن کو سزا دی جائے۔ اب جب اس نے اپنی زبان سے کہہ دیا کہ یہ چوری میں نے کی ہے تو پھر والد کا سارا غصہ اسی کے اوپر اُتر گیا۔ میرے والد نے اس کو مارا پیٹا اور خوب ذلیل کیا۔ میرا بھائی یہ سزا اور ذلت چپ چاپ

برداشت کرتا رہا، حتیٰ کہ ابو کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا اور ابو چلے گئے۔

اب ہم دونوں بہن بھائی اپنے سونے والے کمرے میں آ گئے۔ ہمارا ایک کمرہ تھا جس میں الگ الگ بستر تھے اور ہم اس پہ سویا کرتے تھے۔ ہم نے لائٹیں بند کر دیں اور اپنے اپنے بستر پہ آ کر لیٹ گئے۔ میری آنکھوں سے نیند غائب تھی۔ مجھے احساسِ شرمندگی تھا کہ قصور تو میرا ہے اور مار میرے چھوٹے بھائی کو پڑی۔ میری آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور پھر مجھے یہ بھی احساسِ ندامت تھا کہ میں اتنی کمزور کیوں بنی کہ بھائی کو مار کھاتا ہوا تو میں نے دیکھ لیا، مگر یہ نہیں بتایا کہ یہ کام میں نے کیا ہے؟ جب روتے روتے میری آواز نکلنے لگی تو میرا چھوٹا بھائی اپنے بستر سے اُٹھ کے آیا اور اس نے میرے منہ پہ ہاتھ رکھ دیا اور میرا نام لے کر کہا: بہن! یہ معاملہ ختم ہو چکا ہے اب رو کے اس کو لمبا نہ کرو۔ وہ کہنے لگی: میں حیران تھی کہ یہ مجھ سے چھوٹا ہے اور اس کو میرا اتنا خیال ہے کہ مار کھانے کے بعد بھی کہتا ہے کہ اب اس پہ افسوس کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ اگر مجھے سزا مل گئی تو کوئی بات نہیں، میں نے سزا برداشت کر لی۔

وہ کہتی ہے: ہم دونوں اسکول میں پڑھتے تھے۔ دونوں ہی اچھے طالب علم تھے، محنت کرتے تھے، ہوم ورک کرتے تھے اور اچھے نمبر لیتے تھے۔ کئی سالوں کے بعد ایک ایسا دن بھی آیا جب ہمارا میٹرک کا رزلٹ ہمارے گھر پہنچا۔ رزلٹ بہت اچھا تھا، ہم نے A-Grade لیے تھے۔ مگر جب میں اپنے کمرے سے باہر آئی تو میں نے دیکھا کہ ابو صحن میں بیٹھے ہیں اور ان کے چہرے پہ غم کی کیفیت ہے۔ جیسے کوئی بندہ سوچوں میں گرفتار ہوتا ہے ایسے مغموم بیٹھے ہوئے تھے۔ میں حیران ہوئی کہ ہمارے اتنے اچھے رزلٹ ابو کے ہاتھ میں آئے اور ابو بھی پریشان ہیں۔ بہرحال تھوڑی دیر کے بعد میرے ابو نے امی کو بلایا اور کہا: دیکھو! تمہارے بچوں کے رزلٹ بہت اچھے آئے ہیں۔ میری امی یہ سن کر کہنے لگیں: ان

کے اچھے رزلٹ کا کیا فائدہ؟ جب تم ان کو آگے داخلہ ہی نہیں دلوا سکتے اور ان کی تعلیم ہی جاری نہیں رکھوا سکتے۔ کیونکہ تمہارے پاس تو پیسے ہی نہیں ہیں۔ میرے ابو کہنے لگے: میرے پاس اتنے پیسے تو ہیں کہ میں دو میں سے ایک کو کالج میں داخلہ دلوا سکوں، مگر دوسرے کے لیے میں اپنے دوستوں کے پاس جاؤں گا اور ان سے پیسے اُدھار لے لوں گا۔ چنانچہ یہ کہہ کر میرے ابو باہر نکلے اور گاؤں میں جتنے ان کے دوست تھے وہ سب کے دروازوں پہ گئے، مگر گاؤں میں لوگوں کے پاس اتنے پیسے نہیں ہوتے۔ لہٰذا ابو خالی ہاتھ واپس آ گئے۔ امی نے پوچھا کہ تمہیں تو کہیں سے قرضہ بھی نہیں ملا، اب بچوں کا کیا کرو گے؟ ابو نے کہا: چونکہ ایک کے داخلے کے پیسے میرے پاس موجود ہیں، لہٰذا میں دو میں سے ایک کو داخل کروا دوں گا۔

کہنے لگی: جب ابو نے یہ الفاظ کہے تو میرا بھائی فوراً بولا: ابو! بہن کو آپ کالج میں داخل کروا دیں۔ وہ تعلیم حاصل کر لے گی تو اچھے گھر میں اس کا رشتہ ہو جائے گا۔ ابو کو تو یہ بات سن کے بہت غصہ آ گیا اور وہ کہنے لگے: تم مرد ہو اور بجائے اس کے کہ تم تعلیم حاصل کرو اور کل کو اچھی کمائی کرنے والے بنو، تم پڑھائی سے جان چھڑا رہے ہو، تم سست انسان ہو، تم بہت بزدل انسان ہو۔ یوں ابو نے اس کو ڈانٹنا شروع کر دیا۔ بھائی نے آگے سے جواب دیا: ابو! میں نے تو پڑھنا نہیں ہے، لہٰذا بہن کو آپ داخلہ دلوائیں تا کہ وہ پڑھ سکے۔ اس کے ان واضح الفاظ کہنے پہ ابو کو اور غصہ آیا اور کہنے لگے: اچھا! میں دیکھتا ہوں تم کیسے کالج میں داخل نہیں ہوتے......؟ والد صاحب یہ الفاظ کہتے ہی چلے گئے اور ہم بہن بھائی کمرے میں آ کے اپنے اپنے بستر پر لیٹ گئے۔ کہتی ہے: مجھے نیند تو آ نہیں رہی تھی اور میں محسوس کر رہی تھی کہ میرا بھائی بھی سو نہیں رہا، بلکہ وہ کچھ کر رہا ہے۔ مجھے سمجھ نہیں لگی کہ وہ کیا کر رہا ہے؟ کیونکہ اندھیرا تھا۔ جب میں صبح اُٹھی تو مجھے اپنے سرہانے کے قریب ایک نوٹ لکھا ہوا ملا، جو بھائی نے مجھے

رقعہ لکھا تھا۔اس میں بھائی نے لکھا تھا: ''میں سترہ سال کا ہو چکا ہوں اور اس قابل ہوں کہ مزدوری کر کے اپنا پیٹ پال سکوں۔لہٰذا میں ہمیشہ کے لیے گھر چھوڑ کر جا رہا ہوں، تا کہ ابو مجھے کالج میں داخل نہ کروا سکیں اور انہیں مجبوراً تمہیں داخل کروانا پڑے۔اور پھر مجھے نصیحت کی کہ آپ میری بڑی بہن ہو، آپ دل لگا کے پڑھنا اور یونیورسٹی سے اچھی تعلیم حاصل کرنا۔ اس نے جو کپڑے پہنے ہوئے تھے، وہ انہی کپڑوں میں گھر چھوڑ کر چلا گیا تھا۔

جب صبح والدین کو پتا چلا تو ان کے پاس کوئی اور راستہ نہیں بچا تھا۔لہٰذا والد نے مجھے شہر میں لے جا کے یونیورسٹی میں داخل کروا دیا اور میں ہاسٹل میں رہنے لگ گئی۔ بھائی گھر چھوڑ کے چلا گیا تھا اور اس نے کسی تعمیراتی کارخانے میں مزدوری کرنا شروع کر دی تھی۔تعلیم تو اس کے پاس زیادہ تھی نہیں، سترہ سال اس کی عمر تھی اور اس نے میری خاطر اپنے مستقبل کو تاریک کر دیا۔

کہنے لگی: کافی عرصہ ہماری ملاقات نہیں ہوئی۔ مجھے یونیورسٹی میں کئی سال گزر گئے۔ ایک دن میں اپنے کمرے میں بیٹھی پڑھ رہی تھی، میری Roommate (کمرے کی ساتھی) آئی اور کہنے لگی: باہر ہاسٹل کے دروازے پر ایک نوجوان لڑکا کھڑا ہے جو دیکھنے سے بالکل دیہاتی نظر آتا ہے اور اس کے کپڑے بہت میلے کچیلے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ وہ تمہارے گاؤں کا رہنے والا ہے اور تم سے کوئی بات کرنا چاہتا ہے۔کہنے لگی: میں حیران کہ گاؤں کا لڑکا کیوں مجھ سے بات کرنے کے لیے آیا ہے؟ میں چونکہ لڑکی تھی اور گاؤں کے لڑکے لڑکیوں کو مختلف اشارے کرتے رہتے ہیں۔لہٰذا میں سمجھی کہ یہ کوئی وقت ضائع کرنے والا لڑکا آ گیا ہوگا۔لہٰذا میں نے جانے میں سستی کی۔سخت سردی تھی اور آنے والا باہر دروازے پر سردی میں ٹھٹھر رہا تھا۔کافی دیر کے بعد مجھے احساس ہوا کہ میں

جا کے دیکھوں تو سہی آخر کون ہے؟ کہتی ہے کہ میں جب ہاسٹل کے دروازے پہ آئی تو میں نے اپنے بھائی کو کھڑے ہوئے دیکھا، جو سردی سے ٹھٹھر رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا: تم نے کیوں نہیں بتایا کہ تم میرے بھائی ہو؟ اس نے کہا: دیکھو! میرے کپڑوں کے اوپر مٹی لگی ہوئی ہے، سیمنٹ لگا ہوا ہے، کنکریٹ لگا ہوا ہے، دیکھنے میں میرا حال بُرا ہے۔ اگر میں بتا دیتا کہ میں تمہارا بھائی ہوں تو تمہاری کلاس فیلوز کے درمیان تمہاری کیا عزت باقی رہتی!!!! اس لیے میں نے صرف یہ کہا کہ میں تمہارے گاؤں کا بندہ ہوں اور میں نے بھائی ہونے کا تعارف نہیں کروایا۔

وہ کہنے لگی: یہ سن کے میں نے حیرانگی سے بھائی کی طرف دیکھا اور میں نے اس کے کپڑوں سے مٹی وغیرہ جھاڑنی شروع کی۔ وہ مجھے روک رہا تھا کہ یہ تو میری روز کی Routine (معمول) ہے۔ میں تو انہی کپڑوں میں زندگی گزارتا ہوں۔ میں نے اسے کہا: مجھے کسی کی پروانہیں۔ آپ کو بتانا چاہیے تھا کہ آپ میرے بھائی ہیں۔ جب میں نے کچھ مٹی جھاڑ لی تو میرے بھائی نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا، اس کی جیب میں ایک تتلی والا بہت خوبصورت ہیئر کلپ تھا جو عورتیں اپنے لمبے بالوں پہ لگاتی ہیں۔ اس نے وہ ہیئر کلپ نکالا اور کہنے لگا: میں بہت ہی تنگدستی کی زندگی گزار رہا ہوں، میرے پاس زیادہ بچت تو نہیں تھی، تھوڑے سے پیسے ہی بچے۔ چونکہ میں نے تمہارے پاس آنا تھا تو میں نے سوچا کہ تمہارے لیے کوئی تحفہ لے کر جاؤں۔ میں نے دیکھا ہے کہ گاؤں کی اکثر لڑکیاں یہ ہیئر کلپ لگائے پھرتی ہیں تو میں تمہارے لیے بھی یہ لے کر آیا ہوں۔ پھر اس نے وہ کلپ میرے سر کے اوپر رکھا اور کہنے لگا: یہ تمہارے بالوں کے ساتھ بہت اچھا میچ کرے گا اور تمہیں بہت اچھا لگے گا۔

وہ کہتی ہے کہ بھائی کی اس محبت کو دیکھ کے مجھ سے نہ رہا گیا۔ میں نے اپنے چھوٹے بھائی کو پیار کیا اور کہا: تم اتنی محنت کی زندگی گزار رہے ہو اور اس حال میں بھی تمہیں اپنی بہن کے لیے تحفہ لینا یاد ہے۔ کہنے لگا: میں تمہیں کیسے بھول سکتا ہوں آخر تم میری بہن ہو؟ اس وقت میرے بھائی کی عمر چوبیس سال تھی اور میری عمر ستائیس سال ہو چکی تھی۔ یونیورسٹی کا وقت ہمارے درمیان میں آچکا تھا۔ میں نے بھائی کو پھر رخصت کیا تو اس نے جاتے ہوئے مجھے تسلی دی کہ خرچے کی طرف سے گھبرانا نہیں، جو بھی میرے پاس بچت ہو گی میں تمہیں بھیجوں گا۔ کچھ تمہیں ابو بھیج رہے ہیں اور کچھ میں بھیجوں گا۔ اس سے تمہارے خرچے پورے ہو جائیں گے، لیکن تم اپنی تعلیم اچھی طرح سے حاصل کرنا۔ کہنے لگی: یوں وہ چلا گیا۔ پھر کچھ سال گزرے تو میری یونیورسٹی کی تعلیم مکمل ہو گئی۔ اب میرے پاس اچھی شخصیت بھی تھی اور اچھی تعلیم بھی تھی۔ چنانچہ میرے لیے ایک بہت اچھا پروپوزل آیا۔ لڑکا پڑھا لکھا تھا۔ اس کے پاس اچھی ڈگری تھی۔ لہٰذا اس کے ساتھ میری شادی ہو گئی۔ شادی کے بعد میرے خاوند کو میرے بھائی کی کمپنی میں ڈائریکٹر کی Job مل گئی۔

کہنے لگی کہ چند دنوں کے بعد میرے خاوند نے مجھ سے کہا: تمہارا بھائی بہت محنت اور تھکن والا کام کرتا ہے۔ تم اس سے پوچھ لو اگر وہ چاہے تو میں اس کو سپروائزر کی سیٹ پر Promote (ترقی) کر دیتا ہوں، تاکہ اس کو زیادہ مشقت والا کام نہ کرنا پڑے۔ میں نے جب بھائی سے پوچھا تو اس نے بہت سختی سے کہا: نہیں! مجھے Promotion نہیں لینی، میں اسی پہ کام کرتا رہوں گا۔ لہٰذا میں خاموش ہو گئی۔

کچھ دنوں کے بعد میرا بھائی سیڑھی پر چڑھ کر بجلی کا کوئی کام کر رہا تھا کہ اچانک اس کو بجلی کا جھٹکا لگا اور وہ کافی اونچائی سے نیچے گر گیا۔ اس کی ٹانگ پر ایک زخم آیا اور وہ بے ہوش

ہوگیا۔ چنانچہ اس کو ایمرجنسی میں ہسپتال لے جایا گیا۔ جب ہمیں اطلاع ملی تو میں اپنے خاوند کے ساتھ اس کی بیمار پُرسی کے لیے ہسپتال گئی۔ اس دوران میرے خاوند نے پھر یہ موضوع چھیڑا کہ اس کو کیا ضرورت ہے اتنا مشکل کام کرنے کی؟ میں اس کو Promote کر دیتا ہوں۔ اس کا کام آسان ہوجائے گا۔ لہٰذا میں نے پھر بھائی سے کہا: بھائی! آپ کیوں Promotion نہیں لینا چاہتے؟ بھائی نے بڑا سنجیدہ منہ بنا کر کہا: دیکھو! تمہارا خاوند ابھی ابھی ڈائریکٹر بنا ہے۔ اگر یہ ایک اَن پڑھ لڑکے کو سپروائزر بنا دے گا تو کمپنی میں اس کی کیا عزت رہے گی؟ تمہارے خاوند کی عزت کی وجہ سے میں Promotion نہیں چاہتا۔ میں جیسا ہوں ویسا ہی صحیح ہوں۔ کہتی ہے کہ میں اپنے بھائی کی طرف دیکھ کر حیران ہو رہی تھی کہ اس کو اپنی بہن کا کتنا احساس ہے کہ بہن کے خاوند کی عزت خراب نہ ہو اور خود یہ تنگی کی زندگی گزارنے پر بھی راضی ہے۔

وقت گزرتا رہا حتیٰ کہ جب میرا بھائی تیس سال کا ہوگیا تو اس نے گاؤں کی ایک لڑکی سے شادی کی۔ شادی کی محفل میں گاؤں کے سب لوگ (رشتہ دار وغیرہ) آئے ہوئے تھے، محفل بھرپور تھی۔ شادی کے سب انتظامات کی دیکھ بھال کرنے والے بندے نے جب دیکھا کہ میرا بھائی دولہا بنا ہوا ہے اور دلہن بھی یہاں ہے اور سارے لوگ اس طرح ساتھ ہیں تو اس نے اچانک میرے بھائی سے سوال کیا: اچھا! یہ بتاؤ کہ دنیا میں تمہیں سب سے زیادہ محبت کس سے ہے؟ یہ ایک غیر معمولی سوال تھا۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس ماحول میں اچانک کوئی سوال کرے گا۔ بہرحال جیسے ہی اس نے سوال کیا تو میرے بھائی نے جواب دیا: مجھے سب سے زیادہ محبت اپنی بہن سے ہے۔ اس بندے نے پھر سوال کیا: تمہیں اپنی بہن سے محبت کیوں ہے؟ تو بھائی نے واقعہ

سنایا اور کہنے لگا: ہم جب چھوٹے تھے تو ہمارا گھر ایک گاؤں میں تھا، جبکہ ہمارا اسکول دوسرے گاؤں میں تھا، ہم پیدل اپنے اسکول روزانہ جایا کرتے تھے۔ جانے اور آنے میں ہمیں دو گھنٹے لگتے تھے (گھنٹہ جانے میں اور گھنٹہ واپس آنے میں لگا کرتا تھا) ایک دن ایسا ہوا کہ میرا ایک glove (ہاتھوں پہ پہننے والا دستانہ) گم ہوگیا۔ بہن نے جب یہ دیکھا تو اس نے اپنا دستانہ اُتار کے مجھے دے دیا اور کہا: بھائی! آپ یہ پہن لو۔ میں نے کہا: سردی تو سب کے لیے ایک جیسی ہے، آپ کو بھی لگ رہی ہے۔ میری بہن نے کہا: کوئی بات نہیں، میں اپنی جیب میں اپنا ہاتھ چھپا لوں گی۔ چنانچہ میں نے اپنی بہن کا دستانہ پہن لیا۔ جب ہم گھر پہنچے اور ہم نے اپنے گرم کپڑے اُتارے تو میں نے اپنی بہن کے ہاتھ کو دیکھا کہ سردی کی وجہ سے سرخ ہو چکا تھا، جیسے خون اس میں جم گیا ہو اور اس کے ناخن تقریباً نیلے ہو چکے تھے۔ اس وقت مجھے احساس ہوا کہ میری بہن نے جھوٹ کہا، میری خاطر اس نے اتنی سردی کو برداشت کیا اور مجھے اس نے دستانے پہنا دیے۔ کہنے لگا: اس وقت میں نے دل میں یہ نیت کی تھی کہ جس بہن نے میری تکلیف کا اتنا خیال کیا ہے، میں پوری زندگی اس کا خیال رکھوں گا۔

بھائی نے جب یہ واقعہ سنایا تو خوب تالیاں بجیں، گاؤں کے سارے لوگ اس بات پر خوش تھے کہ تیری بہن اتنی اچھی ہے کہ جس نے دستانے تجھے پہنا دیے اور تیری تکلیف کا خیال رکھا۔ وہ کہتی ہے: سب لوگ تالیاں بجا رہے تھے اور میں رو رہی تھی، میرا رونا خوشی کی وجہ سے نہیں تھا، بلکہ مجھے اس بات پہ رونا آ رہا تھا کہ یہ شادی جیسے خوشی کے موقع پہ میرے بھائی میرا راز فاش کر دیا، میں نے اپنی زندگی میں کوئی ایک اچھا کام کیا تھا، اس کو تو اس نے پورے گاؤں کے لوگوں میں مشہور کر دیا۔ لیکن اس نے میری زندگی میں

میرا کتنا ساتھ دیا، میری خاطر باپ کی سزائیں برداشت کیں، ذلت برداشت کی اور غربت کی زندگی برداشت کی اور یہ بات اس نے کسی کو نہیں بتائی۔

اللہ تعالیٰ نے مردوں کو بڑے دل دیے ہوتے ہیں۔ بھائی اپنی بہنوں کے ساتھ ہمیشہ ایسا برتاؤ کرتے ہیں جیسے ایک باپ اپنی بیٹی کے ساتھ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان رشتوں کو مضبوط بنائے اور ایسا ہمدردی کرنے والا، محبت کرنے والا، تحفظ دینے والا اور عزت کرنے والا بھائی ہر بہن کو عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

مثالی خاوند

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى أَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ⑲﴾ [النساء:۱۹]

وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

((إِنَّ مِنْ أَكْمَلِ الْمُؤْمِنِيْنَ إِيْمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَّ أَلْطَفُهُمْ بِأَهْلِهِ.))

[جامع ترمذی، حدیث: ۲۶۱۲]

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

اسلام میں نکاح کی اہمیت:

دین اسلام نے نکاح کو نصف دین کی تکمیل کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ حدیث

مبارکہ میں ہے:

((إِذَا تَزَوَّجَ العَبْدُ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ نِصْفَ الدِّينِ فَلْيَتَّقِ اللهَ فِي النِّصْفِ البَاقِي.))

[جامع الاحادیث، حدیث:۱۶۲۵]

''جس نے شادی کر لی، اس نے آدھا دین مکمل کر لیا، پس اس کو چاہیے کہ باقی آدھے کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے۔''

نکاح سے عبادت کے اجر میں اضافہ:

بعض احادیث میں آیا ہے:

((رَكْعَتَانِ مِنَ الْمُتَأَهِّلِ خَيْرٌ مِنْ اثْنَيْنِ وَثَمَانِيْنَ رَكْعَةً مِنَ الْعَزَبِ.))

[کنز العمال، حدیث:۴۴۴۴۶]

''شادی شدہ کی دو رکعتیں غیر شادی شدہ کی بیاسی (۸۲) رکعات سے افضل ہیں۔''

اس کی وجہ یہ ہے کہ اب اس کے اوپر حقوق العباد بھی آ گئے ہیں۔ حقوق العباد کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ جب یہ حقوق اللہ کو بھی پورا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی عبادت کا اجر بڑھا دیتے ہیں۔

نکاح، انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت:

ترمذی شریف کی روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((أَرْبَعٌ مِنْ سُنَنِ الْمُرْسَلِينَ: الْحَيَاءُ وَالتَّعَطُّرُ وَالسِّوَاكُ وَالنِّكَاحُ.))

[جامع ترمذی، حدیث:۱۰۸۰]

''چار چیزیں انبیاء کرام علیہم السلام کی سنتوں میں سے ہیں: حیا کرنا، عطر لگانا، مسواک کرنا اور نکاح کرنا۔''

پر تین کاموں میں تاخیر نہ کرنا:

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے محبوب خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے مخاطب کر کے ارشاد فرمایا: اے علی! تین کاموں میں تاخیر نہ کرنا۔

1.....((اَلصَّلَاةُ إِذَا آنَتْ.))

''جب نماز کا وقت ہو جائے۔''

2.....((وَالْجَنَازَةُ إِذَا حَضَرَتْ.))

''جب جنازہ تیار ہو جائے۔''

3.....((وَالأَيِّمُ إِذَا وَجَدَتْ كُفُوًّا.)) [جامع الاحادیث، حدیث: ۴۵۰۲۲]

''غیر شادی شدہ (بیٹے یا بیٹی) کے لیے جب مناسب رشتہ مل جائے۔''

ماں باپ کی ذمہ داری بنتی ہے کہ بیٹا یا بیٹی جب جوان ہو جائیں اور جیسے ہی اچھا اور مناسب رشتہ ملے، جتنا جلدی ممکن ہو، ان کا نکاح کر دینا چاہیے۔ ہم نے یہ دیکھا ہے کہ جہاں نکاح سستا ہوتا ہے وہاں زنا مہنگا ہوتا ہے اور جہاں نکاح مہنگا ہوتا ہے وہاں زنا سستا ہوتا ہے۔ بہت ساری جگہوں پر بدکاری اس لیے زیادہ ہوتی ہے کہ ماں باپ شادیاں جلدی نہیں کرتے تو نوجوان بچے گمراہی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ پھر اس کی سزا صرف ان نوجوان بچوں کو ہی نہیں ملتی، بلکہ علماء نے لکھا ہے کہ ان کے ماں باپ کو بھی اس کی سزا ملتی ہے، کیونکہ وہ اس کی شادی کرنے میں جلدی نہیں کر رہے۔ تو ماں باپ کو خواہ مخواہ عذاب میں گرفتار ہونا پڑے گا۔ اس لیے کہ انہوں نے وقت پہ اپنے بچوں کا فرض ادا نہیں کیا۔

مثالی خاوند کی چند اہم خوبیاں

جب شادی ہوجائے تو میاں بیوی کو چاہیے کہ آپس میں بہت اُلفت و محبت کی زندگی گزاریں۔ جتنا محبت پیار کی زندگی گزاریں گے، اتنا اللہ تعالیٰ کے ہاں سے انہیں اجر اور ثواب ملے گا۔ جب مل جل کر رہتے ہیں تو انسان ہونے کے ناطے کبھی کبھی ایک دوسرے کے ساتھ کھٹ پٹ ہوجاتی ہے۔ کسی کا مزاج اور ہوتا ہے تو کسی کا کچھ اور۔ کئی مرتبہ دوسرے کو سمجھنے میں بھی مشکل ہوتی ہے، غلط فہمی ہوجاتی ہے جس کی وجہ سے آپس میں رنجشیں پیدا ہوجاتی ہیں، مگر گھر کے ماحول کو اچھا رکھنا، محبت پیار والا رکھنا، مرد کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ اس لیے مرد کے اندر مندرجہ ذیل چار خوبیاں ہونی چاہئیں:

1...... احساسِ ذمہ داری:

مرد کے اندر سب سے پہلی خوبی یہ ہونی چاہیے کہ وہ ذمہ دار ہو۔ بعض نوجوان بہت غیر ذمہ دار ہوتے ہیں، وہ بیوی کی ذمہ داری اپنے اوپر نہیں لیتے۔ مثلاً گھر کے معاملے میں اپنی بیوی کو ماں کے حوالے کردیں گے۔ بیوی سے کہیں گے کہ تم نے بس میری امی کو خوش رکھنا ہے اور خود ایک طرف ہوجائیں گے۔ اب ایک طرف چھوٹی عمر کی ناتجربہ کار سی بچی ہے اور دوسری طرف جو ساس صاحبہ ہوتی ہیں، وہ ماشاء اللہ...... اس کو کہتے ہیں، بہو اناڑی اور ساس کھلاڑی۔ ایسی ساسیں چند ہی دنوں میں بچی کو اس کے مقام سے گرادیتی ہے، اس کے خاوند اور اس کے درمیان کے تعلق کو بھی خراب کردیتی ہے۔

لڑکی کی ساس نرم طبیعت کی ہو:

ہمارے بڑوں نے لکھا ہے کہ شادی کرتے وقت جس طرح انسان رشتے کے لیے لڑکے کو دیکھتا ہے، اسی طرح لڑکے کی والدہ کو بھی دیکھنا چاہیے کہ اس کی طبیعت کیسی ہے؟ اگر نیک اور نرم طبیعت کی ہے تو وہ گھر کو آباد کرے گی اور اپنے بچے کو بھی گھر آباد کرنا سکھائے گی۔

ہماری والدہ صاحبہ ماشاء اللہ! بہت نیک اور نرم طبیعت کی تھیں۔ ساری زندگی ہم نے اپنے بڑے بھائیوں کو ڈانٹ پڑتے دیکھا۔ جب بھی کوئی بات ہوتی تو امی بیٹوں کو ڈانٹتی تھیں کہ تم کیوں اپنی بیوی کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کر رہے؟ کیوں اس کو خوش نہیں رکھ رہے؟

ایک دفعہ میرے ایک بھائی نے آگے سے وجہ بتانے کی کوشش کی کہ اس میں میرا قصور نہیں، بلکہ اس کا ہی قصور ہے۔ تو امی نے آگے سے جواب دیا: جب میں رشتہ لینے گئی تھی تو میں نے اس کے ماں باپ سے کہا تھا کہ میں اس بچی کو خوش رکھوں گی۔ لہٰذا میں تو ہمیشہ اس بچی ہی کی طرف داری کروں گی، تمہیں ہی ٹھیک ہونا پڑے گا۔

مجھے اب احساس ہوتا ہے کہ ہمارے بڑے اپنی بات کا کتنا لحاظ رکھتے تھے۔ واقعی رشتہ جب لینا ہوتا ہے اس وقت تو اس طرح بچھ کے بات کرتے ہیں کہ ہم تو اس بچی کو اپنی بیٹی بنائیں گے، خوش رکھیں گے اور بہت اچھی طرح رکھیں گے۔ لیکن وہ چند دن کی بات ہوتی ہے۔ جب رشتہ ہو جاتا ہے تو پھر یوں سمجھتے ہیں کہ یہ تو کوئی گری پڑی چیز ہے۔ اس کا تو کوئی سہارا ہی نہیں تھا۔ ہم اس کو اُٹھا کے لے آئے۔ حالانکہ اس کو ماں باپ نے آزاد جنا ہے اور وہ ماں باپ کے ساتھ عزت کی زندگی گزار رہی

تھی۔ لہٰذا گھر کے اندر بیوی کو عزت اور قدر سے رکھنا خاوند کی ذمہ داری بنتی ہے۔ اس کو کسی کے حوالے کر دینا غلط بات ہے۔

بیوی پر ساس یا نند کا راج نہ ہو:

بعض جگہوں پہ ہم نے دیکھا ہے کہ اگر چار بھائی ہیں تو چاروں بھائیوں کی بیویوں کا اختیار ان کی بڑی بہن (نند) کے پاس ہے، اس نے پورے گھر کو اپنے قابو میں کیا ہوا ہے۔ یہ دیکھ کے بہت حیرت ہوتی ہے کہ لڑکی کی شادی خاوند کے ساتھ ہوئی ہے، مگر اس کو حکم کہیں اور سے جاری ہو رہا ہے۔ حتیٰ کہ جب ان بھائیوں کی بیٹیوں کی شادیاں ہوتی ہیں تو ان کے جہیز بھی نند خریدتی ہے۔ نند نے کہہ دیا یہ لینا ہے تو لینا ہے۔ اور اگر کہا کہ نہیں لینا تو نہیں لینا۔ یوں جیسے بھابھی کی تو اپنی کوئی مرضی ہے ہی نہیں۔ حالانکہ اس کی اپنی بیٹی کی شادی ہے، مگر سب کچھ نند کے حوالے کر دیا۔ نند راج کر رہی ہوتی ہے۔ نہ تو اس کے سامنے بھائی بول سکتے ہیں اور نہ ہی بھابھیاں بول سکتی ہیں۔ اس طرح اپنی بیوی کو ساس یا نند کے حوالے کر دینا، غلط بات ہے۔ یہ بات اپنی جگہ ٹھیک ہے کہ ساس اور نند کا بڑا احترام ہے، مگر ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے۔ میاں بیوی کی اپنی زندگی محبت و پیار سے گزرے، یہ زیادہ ضروری ہے بہ نسبت اس کے کہ حکم کسی اور کا چلے۔

کئی نوجوان ایسے غیر ذمہ دار ہوتے ہیں کہ گھر کے کاموں میں بالکل دلچسپی نہیں لیتے۔ مثلاً بیوی کب سے کہہ رہی ہے کہ Bathroom (غسل خانے) کا شاور leak (لیک) کر رہا ہے اور پورے واش روم میں ہر وقت پانی رہتا ہے۔ Please اس کو ٹھیک کروا دیں۔ ایک دفعہ یاد کروایا، دوسری دفعہ یاد کروایا، تیسری دفعہ یاد کروایا، مگر بار بار ایک ہی جواب ملتا ہے: اوہو! میں بھول گیا تھا۔ یہ جو آپ کہتے ہیں کہ میں بھول

گیا تھا، یہ چھوٹی چیز نہیں ہے بلکہ اللہ کے ہاں بہت بڑی کوتاہی لکھی جاتی ہے کہ مرد کو گھر کا کام بتایا جائے اور وہ اس کام کو ذمہ داری سے نہ کرے۔

بعض تو ایسے شہزادے ہوتے ہیں کہ باغبانی کا کام بھی بیوی کے ذمے لگا دیتے ہیں کہ یہ کام بھی تم مالی سے خود ہی کروالو۔ بھئی! بیوی آپ کی ہے، پردہ نشیں ہے، نیک ہے، اس کے ذمے یہ کام کیوں لگا رہے ہو؟ یہ کام تو مرد کا ہے۔ لہٰذا مرد کو کرنا چاہیے۔ اسی طرح کہیں گے: تم پلمبر کو بلوا کے یہ کام کروا لینا۔ ایسا کرنے سے پھر شیطان کو راستہ مل جاتا ہے۔ یہ انتہائی بُری بات ہے کہ گھر کے جو کام باہر کے مردوں نے کرنے ہیں، وہ بھی خاوند اپنی بیوی کے ذمہ لگائے۔

کئی تو ایسے واقعات بھی ہمیں سننے میں آئے کہ گاڑی خراب ہوجائے تو بیوی کو کہتے ہیں: تم ٹھیک کروا کے لے آؤ۔ سبحان اللہ! اس خاوند کے منہ پہ ذرا دو تھپڑ تو آرام سے لگانے چاہییں۔ پھر سوچنا چاہیے کہ اب تیسرا کام کیا کریں۔

اچھے خاوند کی یہ صفت ہے کہ وہ ایک ذمہ دار انسان ہو۔ اپنے گھر کے کام کاج میں بھی دلچسپی لے اور جہاں بیوی کو مدد کی ضرورت ہو، وہ اس کی مدد بھی کرے۔ بیوی کو بس ایک ہی دفعہ بتانے کی ضرورت پڑے، بار بار یاد دلانے کی ضرورت نہ پڑے۔ ایک دفعہ کہنے پر ہی وہ کام کر دیا جائے۔ اس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوجاتے ہیں۔

آگ لینے کو جائیں پیغمبری مل جائے:

ان کاموں کی اتنی اہمیت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی اہلیہ کے ساتھ سفر کر رہے تھے، اہلیہ کے ہاں بچے کی ولادت کا وقت قریب ہوا تو ان کو درد شروع ہوگئی۔ اب جب دردیں ہوتی ہیں تو سردی کی وجہ سے بندے کو اور زیادہ تکلیف ہوتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام چاہتے

تھے کہ کہیں سے آگ ملے، تاکہ آگ کی گرمی کی وجہ سے ٹھنڈک کم ہو جائے۔ اچانک انہوں نے دیکھا کہ ایک درخت سے آگ نکل رہی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام آگ لینے کے لیے وہاں گئے اور اللہ نے ان کو پیغمبری عطا فرما دی۔

ع آگ لینے کو جائیں پیغمبری مل جائے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر کے کاموں میں بہت دلچسپی لیتے تھے۔ بکری کا دودھ خود ہی دوھ لیتے تھے، اپنے کپڑوں کو پیوند لگا لیتے تھے، اپنے جوتے سی لیتے تھے، کئی مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روٹی پکانے میں بھی مدد فرمائی۔ ایک مرتبہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا روٹی بنا رہی تھیں تو نبی علیہ السلام تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا: فاطمہ! کچھ روٹیاں میں لگاتا ہوں۔ چنانچہ نبی علیہ السلام نے کچھ روٹیاں تنور میں لگائیں۔

تو گھر کے کاموں میں دلچسپی لینا مرد کی ذمہ داری بنتی ہے۔ لہٰذا سب سے پہلے خاوند کے اندر احساسِ ذمہ داری ہونا چاہیے۔ ذمہ داری سے مراد یہ ہے کہ گھر کے کام کاج کو بھی وہ اپنی ذمہ داری سمجھے۔ پھر گھر کے بچوں کی تربیت کو بھی اپنی ذمہ داری سمجھے۔ بعض جگہوں پہ ہم نے دیکھا کہ اولاد کو باپ بالکل پوچھتا ہی نہیں۔ بس ماں کے ذمے لگا دیا جاتا ہے کہ تم ہی ان کی تربیت کرو اور ان کو سکھاؤ۔ یہ غیر ذمہ دارانہ طریقہ ہے، خاوند کو ایسے نہیں کرنا چاہیے۔

2......تحمل مزاجی:

دوسری بات یہ کہ خاوند کی طبیعت میں تحمل مزاجی بھی ہونی چاہیے۔ جلد بازی نہ ہو۔ کئی خاوند ایسے ہوتے ہیں کہ ذرا ذرا سی باتوں پہ فوراً غصہ میں آجاتے ہیں اور پھر خود کہتے بھی ہیں: حضرت! میں باہر دفتر میں ہوتا ہوں تو بالکل ٹھیک ہوتا ہوں، دوستوں میں ہوتا

ہوں، تب بھی ٹھیک ہوتا ہوں، مگر پتا نہیں کیا وجہ ہے کہ گھر جاتا ہوں تو میرا دماغ گرم ہو جاتا ہے؟ میں نے پوچھا: گرمی کس سے چڑھتی ہے؟ آگ سے؟ کہنے لگا: ہاں! میں نے کہا: آپ کو پتا ہے کہ آگ سے کون بنا ہے؟ کہنے لگا: شیطان بنا ہے۔ میں نے کہا: اصل میں یہ شیطانیت ہے جو تمہارے دماغ میں چڑھ جاتی ہے۔ شیطان تمہیں قابو کر لیتا ہے اور پھر غصے میں رکھتا ہے۔

ہر وقت چھوٹی چھوٹی بات پہ غصہ میں آ جانا، بُری بات ہے۔ ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ انسانوں کے ساتھ اگر ہم نے زندگی گزارنی ہے تو ہمیں تحمل مزاجی اختیار کرنی پڑے گی۔ جس طرح کے ہمارے مزاج ہیں، ان کو دیکھ کر تو میرا تجربہ یہ ہے کہ ہمیں فرشتوں کے ساتھ رہنے کا موقع ملے تو ہمیں ان سے بھی گلے شکوے ہونے لگیں گے کہ یہ بھی اچھے نہیں ہیں۔ ہم تو اتنے نازک مزاج لوگ ہیں۔

تحمل مزاجی نبی علیہ السلام سے سیکھیں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک زندگی کو دیکھیں: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر میں اپنی بیویوں کے ساتھ بہت محبت پیار سے رہتے تھے اور انہیں خوش رکھتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي.)) [جامع ترمذی، حدیث: ۳۸۹۵]

”تم میں سے سب بہتر وہ ہے جو اپنے اہلِ خانہ کے لیے بہتر ہو اور میں تم سب میں سے اپنے اہلِ خانہ کے لیے سب سے بہتر ہوں۔“

ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی بعض ازواجِ مطہرات کے پاس تھے تو اُمہات المومنین رضی اللہ عنہن میں سے ایک نے اپنے خادم کے ہاتھ ایک پیالہ کھانے کا بھیجا۔ راوی

کہتے ہیں کہ انہوں نے اس پیالہ پر ہاتھ مار کر اسے توڑ دیا۔

اب آپ ذرا سوچیں: کیا منظر ہوگا کہ پیالا ہی ٹوٹ گیا اور کھانا بھی نیچے گر گیا۔ہم جیسا کوئی ہوتا تو ایک طوفان کھڑا کر دیتا کہ تم بدتمیز ہو، تمہیں سمجھ نہیں، تم یہ ہو، تم فلاں ہو۔ پتا نہیں کیا کیا القاب ہم ایک منٹ میں اپنی بیوی کو دے دیتے۔مگر نبی علیہ السلام تحمل مزاجی سے اُٹھے اور آپ نے دو کام کیے:

1. اس ٹوٹے ہوئے پیالہ کے دونوں ٹکڑوں کو اُٹھا کر ایک دوسرے میں ملا دیا۔
2. اس میں کھانا جمع کرنا شروع کر دیا۔اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

((غَارَتْ أُمُّكُمْ.)) [سنن ابی داؤد، حدیث:۳۵۶۷]

''تمہاری (صحابہ کرام کی) ماں کو غیرت آ گئی۔''

ابن المثنیٰ نے اتنا اضافہ کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کھاؤ۔ چنانچہ سب نے کھا لیا۔حتیٰ کہ ان (زوجہ مطہرہ) کے گھر سے کھانے کا پیالہ آ گیا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کھاؤ۔اس خادم کو روک لیا اور پیالہ بھی روک لیا، یہاں تک کہ سب کھا پی کر فارغ ہو گئے۔پھر صحیح پیالہ خادم کو دیا اور ٹوٹا ہوا پیالہ اپنے گھر میں روک لیا۔

یہ عورت کی فطرت ہے اس کو کچھ چیزیں محسوس ہوتی ہیں۔شریعت نے بھی پھر اس کا لحاظ رکھا ہے۔اب دیکھیں: نبی علیہ السلام نے کتنے اچھے طریقے سے اس معاملے کو سلجھا دیا۔ لہٰذا اگر گھر میں کوئی معاملہ ہو جائے تو یہ مرد کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اس کو پیار، محبت اور سمجھداری سے سلجھا دے۔

اپنی صلح میں مجھے بھی شامل کر لیں:

ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہونے کی

اجازت طلب کی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بلند آواز انہوں نے سنی۔ جب وہ اندر داخل ہوئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو طمانچہ (تھپڑ) مارنے کے لیے پکڑا اور فرمایا: میں تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آواز بلند کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو روکنا شروع کیا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ غصہ ہو کر باہر نکل گئے۔ جب وہ باہر تشریف لے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: تو نے دیکھا میں نے کیسے تجھے آدمی (ابوبکر) سے بچایا؟ نعمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کچھ روز رُکے رہے۔ پھر اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آنے کی اجازت مانگی تو دونوں نے صلح کر لی تھی تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اپنی صلح میں مجھے بھی شامل کر لیں جس طرح آپ نے مجھے اپنی جنگ شامل کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

((قَدْ فَعَلْنَا قَدْ فَعَلْنَا.)) [سنن ابی داؤد، حدیث: ۵۰۰۱ باب ما جاء فی المزاح]

''ہم نے شامل کیا، ہم نے شامل کیا۔''

بتانے کا مقصد یہ ہے کہ گھروں میں اس قسم کی چھوٹی چھوٹی باتیں ہوتی رہتی ہیں، ایسا نہیں ہوسکتا کہ گھر میں کوئی بات بھی ایسی نہ ہو۔ نیک سے نیک گھروں میں بھی غلط فہمیاں ہو جاتی ہیں، اُلجھنیں ہو جاتی ہیں، مگر ان کو سلجھا لینا اور اچھے طریقے سے معاملات کو حل کر لینا ہی عقلمندی ہوتی ہے۔ اس کو کہتے ہیں Crisis managment (مشکلات سے نمٹنے کا طریقہ) ہر اچھے خاوند کو یہ کام آنا چاہیے۔ اس کے اندر اتنی سمجھداری ہونی چاہیے کہ وہ مشکلات کا مقابلہ کر سکے۔

حفصہ تم پر کس بات میں فخر کرتی ہے؟

نبی علیہ السلام کی اہلیہ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا پہلے خیبر کے شہزادے کی بیوی تھیں۔ صاف ظاہر ہے کہ

شہزادے کی جو بیوی ہو، وہ عورتوں میں بہت خوبصورت اور ہنر مند ہوتی ہے۔ شہزادہ ایسے تو کسی کو بیوی کے طور پر نہیں چنتا۔ بہر حال نبی علیہ السلام سے ان کا نکاح ہو گیا۔ اللہ نے ان کو حسن و جمال بھی بہت دیا تھا اور یہ اچھا کھانا بھی بنانا جانتی تھیں، جس کی وجہ سے ان کے ساتھ دوسری اُمہات المومنین کی کئی مرتبہ ذرا اَن بن ہو جاتی تھی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو پتا چلا کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے ان کے بارے میں کہا کہ وہ یہودی کی بیٹی ہیں۔ اس پر صفیہ رضی اللہ عنہا رونے لگیں۔ اتنے میں ان کے ہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے، جبکہ وہ رو رہی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: کیوں رو رہی ہو؟ عرض کیا: حفصہ نے مجھے یہودی کی بیٹی کہا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

((وَإِنَّكِ لَابْنَةُ نَبِيٍّ وَإِنَّ عَمَّكِ لَنَبِيٌّ وَإِنَّكِ لَتَحْتَ نَبِيٍّ فَفِيمَ تَفْخَرُ عَلَيْكِ؟ ثُمَّ قَالَ: اتَّقِي اللهَ يَا حَفْصَةُ.)) [جامع ترمذی، حدیث: ۳۸۹۴]

''تم نبی کی بیٹی ہو، تمہارے چچا نبی ہیں اور تم نبی کی بیوی ہو۔ پس وہ (حفصہ) تم پر کس بات میں فخر کرتی ہے؟ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: حفصہ اللہ سے ڈرو۔''

دیکھیں! کتنی سمجھداری کی بات کی، جس سے ان کا دل خوش ہو گیا کہ واقعی میں کوئی گری پڑی چیز نہیں ہوں۔ میرے اوپر کے اجداد میں حضرت ہارون علیہ السلام بھی نبی تھے، میرے چچا حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی نبی تھے اور اس وقت میں نبی (علیہ السلام) کی بیوی بھی ہوں۔

اس لیے گھر کا کوئی بھی معاملہ ہو تو اس کو اچھے طریقے سے سلجھانا خاوند کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ خاوند کے اندر تحمل مزاجی ہونی چاہیے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پہ جلد بازی کر لینا یا جلدی سے کوئی ناپسندیدہ لفظ بول دینا، بہت بُری بات ہوتی ہے۔

طلاق کی دھمکی، ایک زہریلا تیر:

ہمارا یہ تجربہ ہے کہ آج کل کے نوجوان چھوٹی چھوٹی باتوں پہ بیوی کو دھمکی دیتے ہیں کہ میں تمہیں گھر بھیج دوں گا، طلاق دے دوں گا۔ یہ بہت ہی بُری بات ہے، خاونداس سے زیادہ بُری بات کوئی اور نہیں کرسکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب خاوند نے بیوی کو کہہ دیا کہ میں تمہیں طلاق دے دوں گا اور تمہیں گھر بھیج دوں گا تو بیوی کے دماغ میں ایک بات آگئی کہ اس کے ساتھ میری پوری زندگی گزرنا مشکل ہے۔ پتا نہیں یہ مجھے کس وقت طلاق دے دے۔ بیوی اندر سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوجاتی ہے۔ پھر شیطان اس کے پاس آکر اس کو مشورہ دیتا ہے کہ تم اپنے لیے کوئی اور Proposal (رشتہ) بھی دیکھ لو یا کوئی تعلق دیکھ لو، کیونکہ اگر یہ تمہیں چھوڑ دے گا تو پھر تم کیا کرو گی؟ تو یہ فقرہ چھوٹا سا ہے، مگر اس کا زہر اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ مردوں کو اس کا اندازہ ہی نہیں ہوتا۔ ایک فقرہ بول کے ہمیشہ کے لیے بیوی کو Split personality (شخصیت کو ٹکڑوں میں بانٹ دینا) بنادیتے ہیں۔ لہٰذا کبھی بھی یہ فقرہ نہیں بولنا چاہیے، بلکہ بیوی کو تو یقین ہونا چاہیے کہ مجھے تو خاوند نے اس طرح پیار سے رکھا ہے کہ میری اچھائی کو بھی قبول کیا ہے اور میری کوتاہی کو بھی قبول کیا ہے۔ اگر بحیثیت انسان کوئی چھوٹی موٹی کوتائی ہوجائے تو اس کو نظر انداز کرنا چاہیے۔ ہم انسان ہیں، فرشتے نہیں ہیں۔ بیوی سے کوتاہیاں ہوتی ہیں تو خاوند سے بھی ہوتی ہیں۔ اگر خاوند بیوی کے اندر دس کوتاہیاں گن لے گا تو بیوی اپنے خاوند کے اندر ایک سو کوتاہیاں گن لے گی۔ نبی کریم ﷺ نے اس کا بہترین حل بتایا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ کے ارشاد کا مفہوم ہے:

''اگر تمہیں اپنی بیوی کی کوئی بات ناپسندیدہ نظر آئے تو تھوڑا غور کرو، تمہیں اس میں بہت ساری پسندیدہ باتیں بھی نظر آجائیں گی۔'' [صحیح مسلم، حدیث: ۱۴۶۹، باب الوصیۃ بالنساء]

اس سے معلوم ہوا کہ بیوی کے اندر اچھی باتیں بھی ہوتی ہیں۔ وہ بچوں کی ماں ہوتی ہے، گھر کے اندر کھانے بناتی ہے، خاوند کے لیے، بچوں کے لیے، سب کے لیے، گھر کو اس نے اتنا صاف ستھرا رکھا ہوتا ہے۔ اس پر اس کو جان مارنی پڑتی ہے۔ محنت کرنی پڑتی ہے۔ خود بخود تو یہ کام نہیں ہو جاتے۔ اگر وہ اتنا سب کچھ کر رہی ہے تو اِس کا اس کو Credit (حوصلہ افزائی) بھی ملنا چاہیے۔ چونکہ اس کی جذباتی سوچ ہوتی ہے تو کئی مرتبہ وہ الٹی سیدھی بات بھی سوچ لیتی ہے یا کوئی ایسی بات کہہ دیتی ہے تو ایسے موقعوں پر تحمل مزاجی سے کام لینا چاہیے۔

بیوی کی تلخی برداشت کرنے کی عادت ڈالیں:

ایک صحابی اپنی بیوی کی زبان سے بڑے تنگ تھے...... کہتے ہیں کہ مرد کا ہاتھ قابو میں نہیں ہوتا اور عورت کی زبان قابو میں نہیں ہوتی...... بہر حال انہوں نے سوچا کہ میں امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جاتا ہوں اور ان سے جا کے پوچھتا ہوں کہ میں اس بیوی کا کیا کروں؟ چونکہ عمر رضی اللہ عنہ بڑے دبدبے اور ہمت والے ہیں، لہٰذا صاف ظاہر ہے کہ وہ مجھے کہیں گے کہ اپنی بیوی کو سیدھا کر کے رکھو۔ پھر میں اس کی خوب کٹائی کروں گا۔ چنانچہ یہی سوچتے ہوئے کہ مجھے مار پیٹ کرنے کی اجازت مل جائے گی اور پھر مسئلہ حل ہو جائے گا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آ گئے۔ ابھی دروازے کے باہر ہی کھڑے تھے۔ انہوں نے سنا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان کی بیوی اونچی آواز میں بات کر رہی تھی۔ اب وہ صحابی تھوڑی دیر تو سنتے رہے، پھر سوچنے لگے کہ جب یہ خود اپنی بیوی سے سن رہے ہیں تو میں ان سے کیا پوچھوں گا؟ لہٰذا واپس جانے کا ارادہ کرنے لگے۔ جب وہ جانے لگے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ باہر تشریف لے آئے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا: بھئی! آپ کیوں جا رہے ہیں؟ وہ جواب میں کہنے

لگے: میں تو ایک بات پوچھنے آیا تھا، لیکن آپ کے ساتھ وہی کچھ بیت رہا ہے جو میرے ساتھ بیتتا ہے۔ میں آپ سے کیا پوچھوں؟ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو سمجھایا کہ دیکھو! یہ میری بیوی ہے، میرے لیے باورچن بھی ہے، درزن بھی ہے، میرے لیے گھر کی بھنگن بھی ہے، میرے بچوں کی ماں بھی ہے، اگر میری خاطر یہ گھر کے اتنے کام کر سکتی ہے تو کیا میں اس کی اتنی سی بات کو بھی برداشت نہیں کر سکتا؟ جب عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو یہ کہا تو وہ بات سمجھ گئے کہ واقعی ہمیں ان سے تحمل مزاجی کے ساتھ گفتگو کرنی چاہیے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقام دیکھیں! جن کے بارے میں نبی علیہ السلام فرماتے ہیں:

((وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا لَقِيَكَ الشَّيْطَانُ سَالِكًا فَجًّا إِلَّا سَلَكَ فَجًّا غَيْرَ فَجِّكَ.)) [صحیح بخاری، حدیث: ۳۶۸۳]

''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ شیطان تم سے کبھی راہ چلتے ہوئے نہیں ملتا، جس راہ پر تم چلتے ہو وہ دوسری طرف چل دیتا ہے۔''

جن کو نبی علیہ السلام نے اللہ سے خود مانگا۔ جو اسلام کے لیے معین اور مددگار بن کے آئے اور جو خلیفۂ راشد تھے، وہ بھی اپنی بیوی کی بات کو تحمل سے سُن رہے تھے۔

عورتوں کو ناقصات العقل اسی لیے کہا گیا ہے کہ وہ مختلف قسم کی باتیں سوچ لیتی ہیں، ذہن میں رکھ لیتی ہیں اور کئی مرتبہ اُلٹی سیدھی بات کر بھی جاتی ہیں۔ لہٰذا ان سے تحمل مزاجی سے پیش آنا چاہیے۔ نبی علیہ السلام نے بھی ہمیں یہی بات سکھائی ہے۔

3 اچھا خاوند، اچھا سامع:

خاوند کو چاہیے کہ اپنی بیوی کی بات کو سنے۔ یہ ایک ایسی غلطی ہے جو آج کے زمانے میں بہت سارے لوگ کرتے ہیں۔ ان کے پاس بیوی کی بات سننے کی فرصت ہی نہیں

ہوتی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بیوی کی Wiring (دماغی خلیے) ہی ایسی بنائی ہے کہ جب خاوند شام کو گھر آتا ہے تو وہ اپنے گھر کی ساری کارگزاری سنائے بغیر نہیں رہ سکتی۔ لیکن اگر خاوند اس کی بات نہیں سنتا تو پھر اس کا نقصان ہوتا ہے۔ اسے بات تو کرنی ہے، وہ پھر یا تو اپنی کسی کلاس کی سہیلی سے کرے گی یا بہن سے کرے گی یا اپنی والدہ سے کرے گی۔ اور جب بھی وہ کسی تیسرے سے بات کرے گی تو ضروری نہیں کہ ان کے مشورے بہت مناسب اور جچے تلے ہوں، وہ اُلٹے سیدھے بھی ہو سکتے ہیں۔

جھگڑے کا سبب تیسرا شخص ہوتا ہے:

ہمارے حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میاں بیوی آپس میں ایک دوسرے کی وجہ سے کبھی نہیں جھگڑتے، بلکہ ہمیشہ تیسرے بندے کی وجہ سے جھگڑے ہوتے ہیں۔ اور واقعی ہم نے بھی دیکھا ہے کہ جھگڑے کی بنیاد ہمیشہ کوئی نہ کوئی تیسرا ہوتا ہے۔ چاہے وہ لڑکی کی ماں ہو، لڑکی کی بہنیں ہوں یا لڑکے کی والدہ یا بہنیں ہوں۔ کوئی نہ کوئی تیسرا ضرور ہوتا ہے، جو میاں بیوی کے تعلق کو خراب کرنے کا ذریعہ بنتا ہے۔

اس لیے خاوند کی یہ ذمہ داری ہے کہ جب بھی وہ باہر سے آئے تو پندرہ بیس منٹ اپنی بیوی کے پاس ضرور بیٹھے۔ اس سے اس کی بات چیت سنے، جو وہ کہنا چاہتی ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ اس بات چیت کا جواب بھی فوراً دیں، اس لیے کہ اس کو فوری جواب نہیں چاہیے ہوتا، بلکہ اس نے تو صرف کارگزاری سنانی ہوتی ہے۔ بس آپ توجہ سے اور اس کی طرف دیکھ کے اس کی بات سنیں، تاکہ وہ محسوس کرے کہ میری بات بڑی توجہ سے سنی جا رہی ہے۔ جب وہ بات کر لے گی تو خود بخود مطمئن ہو جائے گی۔

4 نیکی کا ماحول گھر میں بنانے کی کوشش:

گھر کے ماحول کو نیکی پر رکھنا، خاوند کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ وہ اپنی بیوی کو بھی نیکی کی تلقین کرے اور اپنے بچوں کو بھی نیکی کی تلقین کرے۔ بیوی کے ساتھ بیٹھ کے مشورہ کرے کہ ہم اپنے بچوں کو نیکی کی تربیت کیسے دے سکتے ہیں؟ یہ ذمہ داری خاوند کی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ.)) [صحیح بخاری، حدیث:۸۹۳]

''تم میں سے ہر شخص چرواہا ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔''

چنانچہ خاوند سے بیوی اور بچوں کے بارے میں پوچھا جائے گا اور عورت سے اس کے بچوں کی دین داری کے بارے میں پوچھا جائے گا۔لہٰذا یہ ذمہ داری بھی مرد کی ہوتی ہے کہ گھر کا ماحول نیک رہے۔ وہ گھر والوں کو ایسی آزادی نہ دے کہ بیوی آج ٹی وی لے کے آگئی ہے، آج بیوی نے یہ لگوالیا ہے اور بچوں نے یہ کردیا ہے۔ مرد کو چاہیے کہ وہ نیکی پر سمجھوتہ نہ کرے۔لیکن محبت پیار سے ہر کام کرے، اکھڑ مزاجی سے نہ کرے۔اس طرح کا مسلمان نہ بنے کہ اس کے مسلمان بننے پہ باقی لوگ کافر بن جائیں، بلکہ محبت پیار سے گھر والوں کو سمجھائے اور ان کو دین کی طرف لائے۔ محبت پیار، ایسا نسخہ ہے جس سے گھر کے سارے لوگ آسانی سے دین پر آجاتے ہیں۔

ایک سنت پر عمل سے گھر کا ماحول بدل گیا:

ایک مرتبہ لاہور کا ایک نوجوان میرے پاس آیا۔ اس کی شادی کو ابھی ایک دو مہینے ہی

ہوئے تھے۔شادی کے چند ہی دنوں بعد بیعت کر کے سلسلے میں داخل ہو گیا۔اس نے چہرے پہ داڑھی بھی سجالی، نمازیں بھی پڑھنی شروع کر دیں اور نیکی کی زندگی پہ آ گیا۔

اللہ کی شان! ایک دن میرے پاس غصے میں آیا تو میں نے پوچھا: سب خیریت ہے؟ کہنے لگا: بس حضرت! کیا بتاؤں میری بیوی نے مجھے بہت ستایا ہوا ہے؟ میں نے پوچھا: کیا ہوا؟ کہنے لگا: نماز نہیں پڑھتی، سر پہ دوپٹے کا خیال نہیں رکھتی، اس کو تو دین کا بالکل کوئی احساس ہی نہیں ہے، اس نے تو میرا جینا حرام کر دیا ہے۔کافی دیر وہ غصے میں بولتا رہا۔جب اس نے سب باتیں کرلیں تو پھر میں نے اس سے پوچھا: یہ بتاؤ کہ جب شادی ہوئی تھی، اس وقت آپ اسی طرح دین دار تھے جیسے آج ہیں یا آپ بھی اسی طرح تھے؟ کہنے لگا: اس وقت تو میں بھی نمازیں نہیں پڑھتا تھا...... اصل میں شروع میں وہ دونوں ایک جیسے ہی تھے اور انہوں نے آپس میں پسند کی شادی تھی...... میں نے کہا: آپ بھی اسی کے جیسے تھے، نمازیں نہیں پڑھتے تھے، آپ نے ایسی ہی بیوی پسند کی۔اب بیوی تو وہی ہے اس میں تو کوئی تبدیلی نہیں آئی، مگر فرق یہ پڑا کہ آپ نے اس مجلس میں آنا شروع کیا، دین کی باتیں سنیں تو آپ نے دین کو قبول کر لیا اور اب آپ کی زندگی نیکی والی بن گئی ہے۔کہنے لگا: آپ کی یہ بات تو ٹھیک ہے۔پھر میں نے اس سے پوچھا: آپ کی بیوی نے نصیحتوں کی محفل میں کتنی شرکت کی ہے؟ کہنے لگا: وہ تو نہیں آتی۔میں نے پوچھا: کیا کسی اور دینی محفل میں شریک ہوتی ہے جہاں اس کو دین کی طرف کسی نے ترغیب دی ہو؟ کہنے لگا: نہیں۔میں نے کہا: وہ پھر کیسے دوپٹہ کرے گی؟ کیسے پردے کا خیال کرے گی؟ اور نمازیں پڑھے گی؟ اس کو تو سمجھانے والا کوئی ہے ہی نہیں۔آپ کو تو سمجھانے والے مل گئے، مگر اس کو تو نہیں ملے۔

اب اس کو محسوس ہوا کہ حضرت جی مجھے یہ بات سمجھائیں گے کہ اس کو محفلوں میں لایا

کرو۔ اور یہ کام تو لمبا ہو جائے گا، مگر وہ تو جلدی حل چاہتا تھا کہ حضرت جی مجھے کہیں کہ چونکہ وہ نماز نہیں پڑھتی تو تم اس کو سیدھا کرو۔ بہر حال میں نے محسوس کیا کہ یہ خاموش تو ہو گیا ہے، لیکن اس کے دل سے ابھی غصہ ختم نہیں ہوا۔ پھر میں نے اس سے بات کی: کیا آپ ہر ہر سنت پہ عمل کرنے لگ گئے ہیں؟ کہنے لگا: جی! میری کوشش ہوتی ہے کہ ہر بڑی چھوٹی سنت پر عمل کروں، میری پوری زندگی سنت کے مطابق ہو جائے اور آپ بھی یہی تلقین کرتے ہیں۔ میں نے کہا: اچھا! آج میں آپ کو ایک نئی سنت بتاتا ہوں۔ آپ اس پر عمل کریں۔ کہنے لگا: وہ کیا؟ میں نے کہا: آپ گھر واپس جاتے ہوئے کسی دکان سے مٹھائی کا ڈبہ ساتھ لے جائیں اور گھر جا کے دستر خوان پہ جب بیٹھیں تو اس میں سے مٹھائی کا ایک ٹکڑا اُٹھا کے اپنی بیوی کے منہ میں ڈال دیں۔

جب میں نے یہ کہا تو وہ انتہائی حیرت سے مجھے دیکھنے لگا۔ میں نے کہا: میں فارسی نہیں بول رہا، آپ کی زبان میں ہی آپ سے گفتگو کر رہا ہوں۔ جب میں نے واضح لفظوں میں دوبارہ یہی کہا تو پھر اس کو بات سمجھ میں آئی تو کہنے لگا: جی! بہت اچھا۔ یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔

اللہ کی شان! چند دنوں کے بعد وہ آیا تو اس کی آنکھوں سے آنسو رک ہی نہیں رہے تھے۔ میں نے پوچھا: کیا ہوا؟ کہنے لگا: حضرت! یہ خوشی کے آنسو ہیں۔ میں نے پوچھا: کس خوشی کے؟ کہنے لگا: اس دن گھر جاتے ہوئے میں مٹھائی کا ڈبہ لے گیا تو بیوی نے پوچھا: یہ کیا لائے ہیں؟ میں نے کہا: میں آپ کے لیے تحفہ لے کے آیا ہوں۔ وہ یہ سن کے بڑی حیران ہوئی کہ اچھا! آپ میرے لیے تحفہ لے کے آئے ہیں؟ میں نے کہا: ہاں۔ تھوڑی دیر کے بعد کھانے کا وقت ہوا تو دستر خوان پر کھانا لگ گیا، مٹھائی کا ڈبہ بھی

وہیں رکھا تھا۔ میں نے آپ کی نصیحت کے مطابق مٹھائی کا ایک ٹکڑا اُٹھایا اور ایک گلاب جامن اپنی بیوی کی طرف کیا تو وہ میری طرف دیکھنے لگی کہ اس کا کیا مطلب ہے؟ میں نے کہا: یہ میں تمہیں خود اپنے ہاتھوں سے کھلانا چاہتا ہوں۔ وہ حیران و پریشان سی ہوگئی۔ خیر! اس نے وہ گلاب جامن کھا تو لیا، مگر اس کے بعد وہ تھوڑی دیر سر جھکا کے بیٹھی رہی اور سوچتی رہی۔ پھر مجھے کہنے لگی: آپ نے آج ایسا کیوں کیا ہے؟ پہلے تو کبھی نہیں کیا۔ کہنے لگا: میں نے اسے کہا: حضرت نے مجھے بتایا ہے کہ یہ نبی کریم ﷺ کی سنت ہے۔ لہٰذا میں نے اس سنت پر عمل کیا ہے۔

کہنے لگا: جب میں نے یہ بات بتائی تو میری بیوی کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے اور وہ کہنے لگی: اچھا! یہ نبی علیہ السلام کی سنت تھی؟ میں نے کہا: ہاں! کہنے لگی: کیا میں بھی سنتوں پر عمل کر سکتی ہوں؟ میں نے کہا: ہاں! ضرور کر سکتی ہو۔ کہنے لگا: وہیں بیٹھے بیٹھے میری بیوی نے وعدہ کیا کہ میں آج کے بعد نمازیں بھی پڑھوں گی، پردہ بھی کروں گی اور مکمل پابندی کے ساتھ سنتوں والی زندگی بھی اختیار کروں گی۔

یوں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک سنت نے پورے گھر کے ماحول کو بدل کے رکھ دیا اور وہ بچی نیک بن گئی۔ بعد میں وہ عالمہ بھی بنی۔

ہمارے حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے:

''جو خاوند اپنے گھر میں نیکی کے ماحول کا خیال نہیں کرتا، اس گھر کے مَردوں اور مُردوں میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔''

گھر کے ماحول کو نیکی کی طرف لانا، خاوند کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ بہانے نہیں بنانے چاہئیں کہ میری بات کوئی نہیں سنتا، کوئی مانتا ہی نہیں؟ بھئی! جب آپ سختی سے

غصے میں بات کریں گے تو آپ کی بات کوئی نہیں سنے گا، لیکن جب آپ محبت اور پیار سے بات کریں گے تو ایسی باتیں ہر کوئی سنے گا، سب آپ کی بات کو پورا کرنے والے بن جائیں گے، بچے بھی آپ سے محبت کریں گے اور بیوی بھی آپ سے محبت کرے گی۔ لہٰذا یہ صفت بھی خاوند کے اندر ہونی چاہیے۔

ایک فقرہ، ازدواجی زندگی کا خلاصہ:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے لیے پیغام بھیجا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

((هِيَ لَكَ عَلَى أَنْ تُحْسِنَ صُحْبَتَهَا.)) [المعجم الکبیر للطبرانی، حدیث:۳۴۸۹]

"(اے علی!) فاطمہ تمہارے لیے ہے اس شرط پر کہ تم اسے حسنِ سلوک سے رکھو گے۔"

اس چھوٹے سے فقرے میں ازدواجی زندگی کا خلاصہ موجود ہے کہ اگر خاوند بیوی کو محبت سے رکھے تو بیوی خاوند کی ہو جاتی ہے۔ اسی کی خاطر زندگی گزارتی ہے اور اسی کے گھر کے ماحول کو نیکی اور دین داری کے مطابق بناتی ہے۔

ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کے چند واقعات

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی زوجہ سے کتنی محبت کرتے تھے؟ اس کے بارے میں تو بہت ساری احادیث ہیں۔ چند ایک احادیثِ مبارکہ سن لیجیے:

.....اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی سفر پر روانہ ہوئے۔ مقامِ حر کے پاس پہنچ کر ہم واپس روانہ ہوئے۔ میں اپنے اونٹ پر سوار تھی، جو سب سے آخر میں نبی علیہ السلام سے ملنے والا تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس ببول کے درختوں کے درمیان تھے اور میں نبی علیہ السلام کی آواز سن رہی تھی کہ نبی علیہ السلام فرما رہے ہیں:

((وَا عَرُوْسَاهُ.)) ''ہائے میری دلہن!''

واللہ میں ابھی اسی اونٹ پر تھی کہ ایک منادی نے پکار کر کہا: اس کی لگام پھینک دو۔ میں نے اس کی لگام پھینک دی تو اللہ نے اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ میں دے دیا۔

[مسند احمد، حدیث: ۲۶۱۱۲]

یہ حدیثِ پاک کے الفاظ کا مفہوم ہے۔ یعنی بیوی سے محبت کی وجہ سے یہ الفاظ زبان سے نکلے۔ گویا کہ نبی علیہ السلام نے اُمت کو یہ تعلیم دی ہے کہ اگر تم اپنی بیوی کو اس طرح محبت پیار سے رکھو گے تو وہ تمہاری فرمانبرداری کرے گی۔

.....ایک مرتبہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ قسم اُٹھالی کہ میں ایک مہینے تک اپنی بیویوں سے نہیں ملوں گا۔ اس واقعہ کو ''واقعہ ایلاء'' کہا جاتا ہے۔ اب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام مسجد میں تھے اور بیویاں گھروں میں تھیں۔ اللہ کی شان دیکھیں کہ جب انتیسویں کی رات گزر گئی تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے آئے اور آپ سے ابتدا کی۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: اے اللہ کے حبیب! آپ نے تو قسم کھائی تھی کہ ہمارے پاس ایک مہینہ تک نہ آئیں گے اور ابھی تو انتیس ہی دن گزرے ہیں۔ جنہیں میں شمار کر رہی ہوں، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مہینہ انتیس دن کا بھی ہوتا ہے اور وہ مہینہ انتیس دن ہی کا تھا۔

[صحیح بخاری، حدیث: ۵۱۹۱]

یہ بیویوں کی محبت ہی تھی کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام مہینہ ختم ہوتے ہی فوراً نیچے تشریف لے آئے

حتیٰ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو تعجب ہوا اور انہوں نے عرض کیا: اللہ کے حبیب! آپ مہینہ ختم ہونے سے پہلے نیچے تشریف لے آئے ہیں تو جواباً فرمایا کہ میں نے تو مہینہ کا ایلاء کیا تھا اور مہینہ پورا ہو چکا کیونکہ یہ مہینہ 29 دن کا ہے۔

...ایک مرتبہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: اے اللہ کے حبیب! آپ کو مجھ سے کس طرح کی محبت ہے؟ نبی علیہ السلام نے جواب میں فرمایا: جس طرح رسی کی گانٹھ ہوتی ہے، اس کو جتنا کھینچا جائے وہ اتنی مضبوط ہوتی چلی جاتی ہے، میری محبت بھی آپ کے ساتھ ایسی ہی ہے کہ جتنا اس کو کھینچا جائے، یہ اتنی مضبوط ہوتی چلی جاتی ہے۔

...حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی بیویوں کو اختیار دینے کا حکم کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے ابتدا کی اور فرمایا: عائشہ! میں تم سے ایک بات کہتا ہوں۔ تم اس کے جواب میں جلدی نہ کرنا، یہاں تک کہ اپنے والدین سے مشورہ کرلو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جانتے تھے کہ میرے ماں باپ کبھی مجھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے علیحدگی کا حکم نہیں دیں گے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۲۸﴾ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾﴾ [الاحزاب: ۲۸، ۲۹]

''اے نبی! اپنی بیویوں سے کہو: اگر تم دنیوی زندگی اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ، میں تمہیں کچھ تحفے دے کر خوبصورتی کے ساتھ رخصت کردوں۔ اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور عالم آخرت کی طلبگار ہو تو یقین جانو اللہ نے تم میں سے نیک خواتین کے

لیے شاندار انعام تیار کر رکھا ہے۔"

میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس میں کس چیز کے متعلق میں اپنے والدین سے مشورہ کروں؟ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور آخرت کو اختیار کرتی ہوں۔ پھر دوسری ازواج نے بھی اسی طرح کیا، جس طرح میں نے کیا تھا۔

[جامع ترمذی، حدیث: ۳۲۰۴]

اس کا مطلب یہ ہے کہ محبت دونوں طرف سے ہونی چاہیے۔ خاوند کو بیوی سے محبت ہو اور بیوی کو خاوند سے محبت ہو۔

گھروں میں جنت کا ماحول:

نبی علیہ السلام کی کامیاب ازدواجی زندگی ہمیں بتاتی ہے کہ اگر ہم چاہیں تو اپنے گھروں میں جنت کا ماحول بنا سکتے ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ جب گھر میں سکون ہوتا ہے تو انسان کو گھر میں جنت کا مزا آتا ہے۔ سب نیکی پہ چلنے والے، نیکی کرنے والے، اتفاقِ رائے کے ساتھ زندگی گزارنے والے ہوتے ہیں۔ بیوی خاوند کی تعریفیں کر رہی ہوتی ہے، خاوند بیوی کی تعریفیں کر رہا ہوتا ہے اور دونوں اللہ کو راضی کرنے کے لیے اپنی کوششیں کر رہے ہوتے ہیں۔ یہ اصل کامیاب زندگی ہے کہ ہمارے گھر جنت کی تیاری کے مراکز بن جائیں۔ ہمارے گھر کا ہر ہر فرد جنت کی تیاری میں لگا ہوا ہو۔ اور یہ چیز تب ہی ممکن ہے جب خاوند اپنی بیوی کو محبت پیار سے رکھے۔ اگر خاوند یہ سمجھتا ہے کہ میں ڈانٹ ڈپٹ کے ذریعے سے بیوی سے بات منوا لوں گا تو ایسا ممکن ہی نہیں ہے۔

ع این خیال است و محال است و جنوں

ہمارے حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص پیار کے ذریعے اپنی بیوی کا

دل نہ جیت سکا، وہ تلوار کے ذریعے بھی اپنی بیوی کا دل نہیں جیت سکتا۔

یہ پیار ومحبت ہی ہے جس کی وجہ سے آپس میں الفتیں بڑھتی ہیں۔ایک دوسرے کی قدر دل میں آتی ہے اور انسان اچھی زندگی گزارتا ہے۔

بیوی سے اظہارِ محبت کے پانچ مختلف انداز:

ہم ازدواجی زندگی کے بارے میں ریسرچ ڈھونڈ رہے تھے تو ہم نے سینکڑوں کتابیں دیکھیں اور سینکڑوں ریسرچ پیپرز دیکھے۔ ایک ریسرچ پیپر کے اندر عجیب ریسرچ دیکھی۔

اس میں لکھا ہوا تھا کہ جو خاوند دن میں پانچ مرتبہ اپنی بیوی کو محبت کا پیغام دے (محبت کے پیغام سے مراد یہ تھا کہ اس کو بوسہ دے)، اس کے ہاتھ کو پکڑے، اس کے سر پہ ہاتھ رکھے، اس کو ہنسی مذاق کی کوئی بات سنائے یا اس کو اس کے ایسے نام سے پکارے جس نام کو وہ پسند کرتی ہو۔تو اس کی بیوی کبھی Depression (اعصابی تناؤ) کا شکار نہیں ہوسکتی۔

لکھا ہوا تھا کہ ہم نے ہزاروں عورتوں پہ ریسرچ کی ہے اور ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ جس عورت سے اس کا خاوند ایک دن میں پانچ مرتبہ (مختلف انداز میں) محبت کا اظہار کرے۔ ایسی عورت کبھی ڈپریشن کا شکار ہو ہی نہیں سکتی۔

اب جو لوگ اپنے گھروں میں پریشان ہیں، وہ اپنی ازدواجی زندگی کے بارے میں سوچیں کہ کیا انہوں نے اپنی بیوی کو کبھی مسکرا کے دیکھا؟ یا بیوی کا ہاتھ محبت سے پکڑا؟ اگر ایسا نہیں کیا تو بیوی پہ کیوں گلہ کرتے ہیں؟ وہ تو ڈپریشن کی مریضہ بنے گی۔ بیویوں کو ڈپریشن سے نکالنا خاوند کے لیے کوئی مشکل نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے خاوند کے ہاتھ میں

ایسا جادو دیا ہوا ہے کہ بس وہ بیوی کا ہاتھ محبت سے پکڑ لے تو بیوی ماضی کی سب باتوں کو بھول جاتی ہے اور نئے سرے سے اچھی زندگی گزارنے کے لیے پھر تیار ہو جاتی ہے۔
بیوی کو منانے کے لیے نہ تو تعویذوں کی ضرورت ہے، نہ ہی عملیات کی ضرورت ہوتی ہے، بلکہ اس کو خوش رکھنے کے لیے صرف محبت اور پیار کی ضرورت ہوتی ہے۔ محبت سے اور نرمی سے بات کریں، بیوی کو عزت دیں۔ جس عورت کو محبت کے ساتھ ساتھ عزت بھی ملتی ہے وہ اپنے خاوند کی خاطر قربان ہونے کے لیے تیار ہوتی ہے،، تنگی ترشی اور فاقے برداشت کر لیتی ہے، مگر اسی خاوند کے ساتھ رہتی ہے۔ اس کو معمولی کپڑے پہننے کو ملتے ہیں، نئے نئے کپڑے نہیں ملتے، مگر اس کو اس کی کوئی پروا نہیں ہوتی۔ وہ غربت میں زندگی گزار لیتی ہے لیکن اس کو محبت اور پیار چاہیے ہوتا ہے۔

لہٰذا کامیاب ازدواجی زندگی گزارنے کا جو بہترین اصول ہے وہ یہی ہے کہ بیوی کے ساتھ محبت پیار کا تعلق رکھا جائے اور اسے عزت دی جائے۔ بچوں کی نظر میں بھی بیوی کی عزت بنائی جائے، کیونکہ وہ بچوں کی ماں ہے۔ اس نے ان کی تربیت کرنی ہوتی ہے۔ جس عورت کو عزت اور محبت ملے گی وہ اپنے خاوند سے کبھی بھی دور ہونا پسند نہیں کرے گی۔

میاں بیوی کی محبت کا ایک خوبصورت قصہ:

بعض لوگ بڑے غریب ہوتے ہیں۔ دیہاتوں میں ان کے گھروں کے اندر کھانے پینے کو نہیں ہوتا۔ ایک کپڑے میں عورت پورا سال گزارتی ہے۔ یعنی ایک جوڑا بنایا اور اسی میں وہ بیچاری پورا سال گزارتی ہے۔ سردیوں کا جوڑا گرمیوں میں بھی پہنتی ہے اور گرمیوں کے کپڑوں میں سردیاں گزار لیتی ہے، مگر پھر بھی اپنے خاوند کے ساتھ خوش ہوتی ہے، اس لیے کہ اس کو خاوند کی طرف سے عزت اور محبت ملتی ہے۔

چنانچہ دو میاں بیوی بہت غریب تھے۔ خاوند بیچارہ مزدوری کر کے گھر کا خرچہ چلاتا تھا، مگر ان کی آپس میں محبت بہت گہری تھی۔ جب بھی شادی کی سالگرہ کا دن آتا تو اس دن وہ دونوں ایک دوسرے کو چھوٹا موٹا گفٹ ضرور دیتے تھے۔

ایک ایسا وقت آیا کہ خاوند کے پاس خرچ کرنے کو کچھ نہیں تھا اور بیوی کے پاس بھی کچھ بچت نہیں تھی، مگر شادی کی سالگرہ کا دن قریب تھا۔ دونوں میاں بیوی کے دل میں چاہت تھی کہ ہم ایک دوسرے کو تحفہ پیش کریں۔ اللہ کی شان کہ بیوی کہیں جا رہی تھی تو اس نے ایک دکان دیکھی، جس پر Wigs (نقلی بال) بنتے تھے...... مسلمانوں کے معاشرے میں تو یہ اتنی نہیں ہوتیں، لیکن کافروں کے ماحول میں یہ چیز بہت زیادہ ہوتی ہے۔ چنانچہ ٹوپیاں بنی ہوتی ہیں جن پہ بڑے خوبصورت اور لمبے بال جڑے ہوتے ہیں، جنہیں مرد بھی پہنتے ہیں اور عورتیں بھی پہنتی ہیں...... وہ وِگ کی دکان پہ کھڑی ہو کے دیکھنے لگ گئی تو دکاندار نے اس سے پوچھا: آپ کیا دیکھ رہی ہیں؟ اس نے کہا: میں دیکھ رہی ہوں کہ آپ یہ جو وِگز بناتے ہیں تو ان کے اوپر نقلی بال لگاتے ہیں یا اصلی؟ اس نے کہا: جن عورتوں کے لمبے بال ہوں، ہم ان سے (اصلی بال) خرید لیتے ہیں۔ یہ سن کر عورت کے دل میں ایک خیال آیا۔ اس نے کہا: میرے بال بہت لمبے ہیں، اگر میں کٹوا دوں تو کیا تم اس کے بدلے مجھے بہت سارے پیسے دے دو گے؟...... عورت کے دل میں چاہت تھی کہ مجھے پیسے ملیں گے تو میں اپنے خاوند کے لیے شادی کی سالگرہ کا تحفہ لے لوں گی...... اس دکاندار نے اسے کہا: اگر تم اپنے بال کٹوا دو تو ہم اس کے بدلے تمہیں اتنے پیسے دے دیں گے۔ لہٰذا اس نے اپنے لمبے بال کٹوا دیے۔ صرف چھوٹے چھوٹے بال رہ گئے اور اس نے اس کے بدلے کچھ پیسے اس سے لے لیے۔ اب وہ سوچنے لگی کہ میں خاوند کے لیے کیا تحفہ لے کے جاؤں؟ اس کے خاوند کے

پاس جیب والی گھڑی تھی، مگر اس کی چین نہیں تھی، اس لیے وہ اس گھڑی کو جیب میں ڈالتا تھا اور کبھی کبھی نکالتا تھا۔ بیوی نے سوچا کہ میں اپنے خاوند کے لیے وہ چین خرید کر لے جاتی ہوں، تاکہ میرا خاوند گھڑی کو چین کے ساتھ باندھے اور اس کو گھڑی نکالنی آسان ہو۔ چنانچہ اس نے گھڑی کی چین خرید لی۔

اب جب سالگرہ کا دن آیا تو میاں بیوی ایک دوسرے کے پاس بیٹھے، کھانا کھایا اور اس کے بعد تحفہ دینے کے لیے بیوی نے پہلے بات بتائی کہ جو آپ کی گھڑی تھی، آپ اس کو جیب میں ڈالتے تھے، اس کی چین نہیں تھی تو میں نے سوچا کہ میں ایک خوبصورت سی چین لے آؤں۔ لہٰذا میں نے ایک چین خریدی ہے اور میں آج کے دن آپ کو وہ گفٹ کر رہی ہوں۔ بیوی نے جب گھڑی کی وہ چین دی تو خاوند کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ بیوی نے پوچھا: آپ رو کیوں رہے ہیں؟ کہنے لگا: میں بھی سوچ رہا تھا کہ میں آج تمہیں ضرور تحفہ دوں گا۔ میں نے اسی گھڑی کو بیچ کر تمہارے لیے Hair Clip (بالوں پہ لگانے والا کلپ) خریدا ہے۔

تو غربتیں اپنی جگہ ہوتی ہیں، مگر محبت پیار ایک ایسی چیز ہے جو ان سب سے بلند و بالا ہے۔ شریعت یہی چاہتی ہے کہ میاں بیوی جتنا محبت پیار کی زندگی گزاریں گے، اتنا انہیں اللہ کی طرف سے اجر ملے گا۔

اللہ تعالیٰ کو خوش کرنا اور جنت میں جانا نہایت آسان:

حدیثِ پاک میں آیا ہے:

((إِنَّ الرَّجُلَ إِذَا نَظَرَ إِلَى امْرَأَتِهِ وَنَظَرَتْ إِلَيْهِ نَظَرَ اللهُ إِلَيْهِمَا نَظْرَةَ رَحْمَةٍ فَإِذَا أَخَذَ بِكَفِّهَا تَسَاقَطَتْ ذُنُوبُهُمَا مِنْ خِلَالِ أَصَابِعِهِمَا.)) [جامع الاحادیث:۶۲۹۶]

''جب کوئی مرد اپنی بیوی کی طرف دیکھتا ہے اور بیوی اپنے شوہر کی طرف دیکھتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان کی طرف نظرِ رحمت سے دیکھتے ہیں۔ خاوند جب بیوی کو ہتھیلی سے پکڑتا ہے تو ان دونوں کے گناہ انگلیوں کے درمیان سے نکلنے لگتے ہیں۔''

آپ غور کیجیے کہ اللہ تعالیٰ کو خوش کرنا کتنا آسان ہے۔ اسی طرح جنت میں جانا بھی بہت آسان ہے۔ چنانچہ حدیثِ مبارکہ میں آیا ہے:

((إِذَا صَلَّتِ الْمَرْأَةُ خَمْسَهَا وَصَامَتْ شَهْرَهَا وَحَصَّنَتْ فَرْجَهَا وَأَطَاعَتْ زَوْجَهَا دَخَلَتْ مِنْ أَيِّ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ شَاءَتْ.)) [صحیح ابن حبان، حدیث: ۴۱۶۳]

''عورت جب نمازِ پنجگانہ ادا کرتی ہو، ماہِ رمضان کے روزے رکھتی ہو، اپنی عصمت کی حفاظت کرتی ہو اور اپنے خاوند کی فرمانبرداری کرتی ہو تو جنت کے جس دروازے سے چاہے گی، (جنت میں) داخل ہو جائے گی۔''

اس حدیثِ پاک کو پڑھ کے مرد یہ سمجھتے ہیں کہ عورت کے لیے تو جنت میں جانا بہت آسان ہے۔ یہ بات سچ ہے کہ عورت کے لیے جنت میں جانا یقیناً آسان ہے۔ اگر وہ اپنے خاوند کی خدمت کرے گی، اس کو خوش رکھے گی اور فرائض پورے کرے گی تو اللہ تعالیٰ اس کو جلدی جنت عطا فرما دیں گے، لیکن اگر خاوند نے اس کو زندگی میں خوش رکھا ہے تو سوال یہ ہے کہ کیا وہ خاوند کے بغیر جنت چلی جائے گی؟ بالکل نہیں جائے گی۔ یہ تو اس کی وفا کے خلاف ہے۔ ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ خاوند کے بغیر جنت میں جائے۔ لہٰذا اگر بیوی جلدی جنت میں جائے گی تو وہ خاوند کو بھی اپنے ساتھ لے کے جائے گی۔

یہ جنت میں جانے کا سب سے آسان طریقہ ہے۔ خاوند بیوی کو خوش رکھے اور بیوی خاوند کو خوش رکھے تو اللہ تعالیٰ بیوی کو جلدی جنت عطا فرمائیں گے اور بیوی خاوند کے بغیر جنت میں جانا پسند ہی نہیں کرے گی۔ جو غلطیاں اور کوتاہیاں ہم سے ہو گئی

ہیں، اپنی بیویوں سے معافی مانگ لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ دنیا میں ان سے معافی مانگ کے خوش کر لیجیے اور ایک نئی محبتوں والی زندگی شروع کر دیجیے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نیکی تقویٰ کی زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے اور ایک مثالی خاوند بن کر رہنے کی بھی توفیق عطا فرمائے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

مثالی سسر

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى أَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ۭ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا﴾

[الفرقان:۵۴]

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

اللہ تعالیٰ کو پانے کا راستہ:

دین اسلام نے انسان کو جنگلوں اور غاروں میں جانا نہیں سکھایا کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کو پانا چاہتے ہو تو جنگلوں اور غاروں میں جاؤ، بلکہ دین اسلام نے یہ سکھایا ہے کہ اگر تم اللہ کو پانا چاہتے ہو تو انہی شہروں میں، گلی کوچوں اور بازاروں میں رہتے ہوئے حقوق اللہ کو بھی پورا کرو اور حقوق العباد کو بھی پورا کرو، پھر تم اپنے رب کو پالو

گے۔ لہٰذا جو بندہ حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد بھی پورے کرے، وہ اللہ تعالیٰ کا مقبول بندہ ہوتا ہے۔

گھریلو زندگی میں سسر کا کردار:

ازدواجی زندگی میں کئی پہلو ہوتے ہیں۔ خاوند، بیوی، ساس، سسر سب ایک دوسرے کے ساتھ رہ رہے ہوتے ہیں، اس لیے مطابقت کبھی کبھی مشکل ہوجاتی ہے۔ سسر کو چاہیے کہ وہ اپنے گھر میں سب کو محبت پیار سے رہنے کی تلقین کرتا رہے۔ ہر گھر میں خاوند کا ایک Role (کردار) ہوتا ہے۔ بہو کے لیے ساس تو ایک مسئلہ ہے، مگر ساس کا شوہر جس کو سسر کہتے ہیں، وہ گھر کا انچارج ہوتا ہے۔ اس کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اپنے گھر میں اپنے بیٹے کو بھی نیکی کی تعلیم دے اور اپنی بہو کو بھی نیکی کی تعلیم دے۔ اگر گھر میں کوئی اُونچ نیچ ہونے لگے تو بہو اور اس کی ساس (اپنی بیوی) کو سمجھانا اس کی ذمہ داری ہوتی ہے۔

FIVE TYPES OF FATHER IN LAW

ریسرچ سے پتا چلتا ہے کہ سسر پانچ قسم کے ہوتے ہیں:

1...... Pacifier:

سب سے پہلی قسم ہے: Pacifier۔ Pacifier کہتے ہیں بچے کی چوسنی کو۔ جب

بچہ فارغ ہوتا ہے تو وہ چاہتا ہے کہ میرے منہ میں چوسنی آجائے۔ پھر وہ آرام سے اس کو چوستا رہتا ہے اور چپ رہتا ہے۔ یہ سسر اپنی بیوی اور بہو کے درمیان مصالحت کرنے والا ہوتا ہے، بیوی کو بھی سمجھاتا ہے، بہو کو بھی سمجھاتا ہے اور مسئلوں کو ساتھ ساتھ حل کرتا رہتا ہے۔ یہ سمجھداری کا کام کرتا ہے جو ایک مرد کو کرنا چاہیے اور گھر کے ماحول کو اچھا رکھتا ہے۔ اس لیے اس کو Pacifier کہتے ہیں۔

He tries to maintain harmony in family.

''وہ گھر والوں کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔''

نمبر 2......Dictator:

ایک ہوتا ہے Dictator (حکم چلانے والا) سسر۔ بعض مردوں کی طبیعت ایسی ہوتی ہے کہ وہ بس اپنی ہی منوانا چاہتے ہیں۔ ریسرچ میں لکھا ہے کہ یہ اکیلا سسر، دس ساسوں کے برابر ہوتا ہے۔ ماشاءاللہ! یہ بڑی خاص چیز ہوتا ہے اس بندے کے اندر بہت ساری اَنا اور فخر ہوتا ہے۔ یہ سمجھتا ہے کہ مرد جو فیصلے کر سکتے ہیں، عورتیں نہیں کرسکتیں۔ لہٰذا ہر کام میں دخل اندازی کرنا اس کی عادت ہوتی ہے۔

نمبر 3......House hold Manager:

ایک تیسری قسم کا سسر ہوتا ہے جس کو House hold manager (گھر کا انتظام سنبھالنے والا) کہتے ہیں۔ بعض مردوں کی عادت ہوتی ہے کہ گھر کے ہر کام کو خود کرتے ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ جب مرد کسی کام کو کرنے لگتا ہے تو وہ عورتوں سے بہتر کرلیتا ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ کچن پہ راج عورتوں کا ہوتا ہے، لیکن دنیا کے بہترین

Cook (کھانا پکانے والے) مرد ہوتے ہیں۔ ڈیزائننگ اور کپڑوں میں بھی عورتیں سب سے زیادہ ڈیزائن کرنے والی اور بنوانے والی ہوتی ہیں، لیکن دنیا کے سب سے بہترین کپڑوں کے ڈیزائنر بھی مرد ہوتے ہیں۔ مرد کو اللہ نے ایسی خوبیاں دی ہیں کہ جب وہ کسی کام میں لگتا ہے تو سب سے آگے نکل جاتا ہے۔ لہٰذا ایسے سسر گھر کے انتظامات سنبھالتے ہیں۔ یہ ہر کام میں دخل اندازی کرتے ہیں کہ صفائی کیسے کرنی ہے؟ کچن کو کیسے سنبھالنا ہے؟ کپڑے کیسے دھونے ہیں؟ کیسے رکھنے ہیں؟ ہر چیز میں ان کی ہدایات موجود ہوتی ہیں۔

نمبر 4...... Gossip King:

ایک سسر وہ ہوتا ہے جس کو Gossip King (باتونی بندہ) کہتے ہیں۔ یہ صرف باتیں کرنے کا ماہر ہوتا ہے۔ باتیں کر کے بیوی کو بھی خوش رکھتا ہے اور بچوں کو بھی خوش رکھتا ہے۔ ریسرچ میں لکھا ہے کہ یہ (سسر) گھر میں ایک عورت کی طرح ہی ہوتا ہے۔

نمبر 5...... Henpecked husband:

پانچویں قسم کا سسر اپنی بیوی کا غلام ہوتا ہے۔ یہ اپنی بیوی کا چمچہ ہوتا ہے۔ بیوی نے جو کہنا ہوتا ہے وہ خود نہیں کہتی، بلکہ اپنے خاوند سے کہلواتی ہے۔ چنانچہ:

He is the mouth piece of his wife. His wife controls the string.

''وہ اپنی بیوی کا چمچہ ہوتا ہے، اس کی بیوی اس کو قابو میں رکھتی ہے۔''

اس بندے کے نزدیک اس کی بیوی، دنیا کی سب سے کامل اور بہترین عورت ہوتی ہے۔ اس کو اپنی بیوی میں کوئی نقص نظر نہیں آتا۔

مثالی سسر بننے کے 17 اہم اصول

ہم ایک اچھا سسر کیسے بن سکتے ہیں؟ اس کے لیے کچھ اہم نکات درج ذیل ہیں:

1 ...... جو فیصلے بھی گھر میں ہونے ہوں، ایک سسر کی ذمہ داری بنتی ہے کہ اس میں بہو یا داماد کو ضرور شامل کرے۔ تا کہ وہ اپنے آپ کو گھر کے افراد سمجھیں۔

2 ...... پھر ہمیشہ تعاون کریں:

Be supportive.

سسر کا رویہ ہمیشہ بہت تعاون کرنے والا ہونا چاہیے۔ ہمیشہ بچوں کو سہارا دینے والا اور ان کی مدد کرنے والا ہو۔ اس کی طبیعت میں رحمدلی ہونی چاہیے، کیونکہ چھوٹوں کو بڑوں سے نرم دلی، ہمدردی اور مہربانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ لہٰذا اگر یہ بچوں پر مہربان ہوگا تو اچھا سسر بن سکتا ہے۔

داماد کے ساتھ حسنِ سلوک کی نبوی مثال:

نبی علیہ السلام کی بڑی صاحبزادی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح اپنے چچا کے بیٹے ابوالعاص سے ہوا تھا، نکاح کے وقت وہ مسلمان نہیں تھے۔ پھر جب نبی علیہ السلام نے نبوت کا اعلان فرمایا تو اس وقت بھی ابوالعاص نے اسلام لانے میں جلدی نہیں کی۔ اللہ کی شان دیکھیں: ایک موقع ایسا آیا کہ ابوالعاص اپنے تجارتی سفر پہ ایک قافلے کو لے کر شام کی طرف گئے۔ اور جب واپس آنے لگے تو مدینہ طیبہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے موقع پا کر ان

کو گرفتار کر کے نبی علیہ السلام کی خدمت میں پہنچا دیا۔ یہ ایک نازک موقع تھا کہ داماد گرفتار ہو کے پہنچا ہے، مسلمان بھی نہیں ہے اور بیٹی ابھی مکہ مکرمہ میں ہے۔

اب اس واقعے میں ہم نے دیکھنا ہے کہ نبی علیہ السلام نے اس نازک مسئلے کو کتنے پیارے طریقے سے حل کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تو ابوالعاص کے ساتھ سختی بھی کر سکتے تھے کہ تم نے اب تک میری بات نہیں مانی، اب تم میرے قابو میں آ گئے ہو۔ میں دیکھتا ہوں اب کیسے نہیں مانتے؟ مگر نبی علیہ السلام نے ان کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا، اچھا کھانا دیا اور ان کی عزت افزائی کی۔

اسی دوران نبی علیہ السلام کی بیٹی نے مکہ مکرمہ سے ایک ہار بھیجا، جو نبی علیہ السلام نے خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو دیا تھا اور انہوں نے شادی کے موقع پر اپنی بیٹی کو دے دیا تھی۔ نبی علیہ السلام نے اس کو دیکھا تو آپ کی مبارک آنکھوں سے آنسو آ گئے کہ یہ تو وہ چیز ہے، جو میں نے اپنی بیوی کو دی تھی اور میری بیوی نے پھر اپنی بیٹی کو شادی کے موقع پر دے دی تھی۔ اب میری بیٹی نے اپنے خاوند کو چھڑوانے کے لیے وہی چیز بھجوائی ہے...... سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی بھی اس میں عظمت نظر آتی ہے کہ انہوں نے اپنے خاوند کا کتنا احترام کیا کہ ان کو چھڑوانے کے لیے مکہ سے فدیہ بھیجا...... جب نبی علیہ السلام کو وہ ہار ملا تو آپ علیہ السلام نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا کہ میری بیٹی نے یہ ہار بھیجا ہے کہ ہم ان سے فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دیں۔ اب آپ بتائیں کیا کرنا چاہیے؟

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے حبیب! آپ چیز بھی واپس کر دیں اور ان کو بھی آزاد کر دیں۔ آپ کو اختیار ہے آپ جو چاہیں کریں۔ چنانچہ جب نبی علیہ السلام کو اختیار مل گیا تو آپ علیہ السلام نے ابوالعاص سے بات کی اور اس سے فرمایا: آپ ابھی اسلام

قبول نہیں کر پائے، مگر میری بیٹی پہلے سے مسلمان ہے، وہ میرے پاس آنا چاہتی ہے تو آپ ایسا کریں کہ میری بیٹی کو میرے پاس بھیج دیں۔ نبی علیہ السلام نے جب یہ مطالبہ کیا تو انہوں نے اس کو تسلیم کرلیا اور کہا: میں مکہ مکرمہ جاتے ہی آپ کی بیٹی کو مدینہ بھیج دوں گا۔ چنانچہ ابو العاص مکہ مکرمہ گئے اور انہوں نے اپنی بیوی سے کہا: میں وہاں پر وعدہ کر کے آیا ہوں، لہٰذا آپ مدینہ جاسکتی ہیں۔ یوں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا مدینہ آگئیں۔ پھر کچھ عرصے کے بعد اللہ نے ان کے دل میں بات ڈالی تو یہ بھی ہجرت کر کے مدینہ آگئے اور انہوں نے بتایا کہ اب میں نے اسلام قبول کرلیا ہے۔

دیکھیں: اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کتنے احسن طریقے سے فیصلہ کروایا کہ داماد نے اسلام بھی قبول کرلیا اور اس نے بیٹی کو بھی نبی علیہ السلام کے پاس بھیج دیا۔ لہٰذا سسر کو چاہیے کہ وہ ایسے معاملے میں سمجھداری کا ثبوت دے، عقلمندی سے کام لے اور بہتر فیصلے کرے۔

3 ...... پھر سسر کو چاہیے کہ اپنی بہو اور داماد کے اچھے کاموں پہ ان کی تعریف بھی کیا کرے۔

لوگ غلطیوں پر تنقید تو کر دیتے ہیں، ڈانٹ ڈپٹ بھی کر دیتے ہیں، لیکن اچھے کاموں پر تعریف نہیں کرتے۔ مثلاً: داماد نے بیٹی کو خوش رکھا ہے یا بہو نے بیٹے کو خوش رکھا ہوا ہے تو اس پہ ان کی تعریف کرنی چاہیے اور ان کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے، ان کو دعائیں دینی چاہییں: اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے! آپ نے میری بیٹی کو بہت خوش رکھا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے! آپ نے میرے بیٹے کو بہت خوش رکھا ہوا ہے۔ اس سے بہو اور داماد کے دل میں محبت بڑھ جاتی ہے۔

4 ...... پھر سسر کو چاہیے:

Let go of grudges and give advice appropriately.

''چھوٹی چھوٹی باتوں کی رنجش کو دل سے نکال دے اور اچھے مشورے دے۔''

انسان کو دل بڑا رکھنا چاہیے، تنگ نظری کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے۔ تاکہ گھر کے اندر ماحول اچھا رہے اور سب کے تعلقات ایک دوسرے کے ساتھ اچھے ہوں۔

5 ...... سسر کی یہ ذمہ داری بھی بنتی ہے کہ جس طرح اپنے بچوں کے لیے دعا کرتا ہے، اسی طرح بہو اور داماد کے لیے بھی دعا کرے۔ نبی علیہ السلام اپنے دامادوں کے لیے بہت دعائیں کیا کرتے تھے۔

نبی علیہ السلام کی اپنے داماد کے لیے دعا:

چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مسلمانوں میں سب سے پہلے اپنے گھر والوں کے ساتھ حبشہ کی طرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ہجرت کی ہے۔ چنانچہ عثمان رضی اللہ عنہ اپنی بیوی (نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی) کو ساتھ لے کر نکل گئے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے متعلق کوئی خبر نہیں مل رہی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے متعلق خبریں لینی شروع کر دیں۔ ایک عورت جس کا تعلق قریش سے تھا، وہ حبشہ سے آئی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے پوچھا تو وہ کہنے لگی: اے ابوالقاسم! میں نے ان دونوں کو دیکھا ہے۔ فرمایا: تم نے انہیں کس حال میں دیکھا ہے؟ کہنے لگی: میں نے انہیں اس حال میں دیکھا کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے رقیہ رضی اللہ عنہا کو گدھے پر سوار کر رکھا تھا، وہ گدھے کو ہانک رہے تھے اور پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

((صَحِبَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى إِنَّ عُثْمَانَ لَأَوَّلُ مَنْ هَاجَرَ إِلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ بِأَهْلِهٖ بَعْدَ

لُوطٍ عَلَيۡهِ السَّلَامُ.))[دلائل النبوۃ للبیہقی،حدیث:۵۹۲]

''اللہ تعالیٰ ہی ان کا ساتھی ہے۔ بلاشبہ لوط علیہ السلام کے بعد عثمان پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنے گھر والوں کے ساتھ اللہ کی طرف ہجرت کی۔''

اس سے معلوم ہوا کہ دعائیں دینا بھی ایک اہم کام ہے۔اس سے اللہ تعالیٰ دلوں کو نیکی پر جما دیتے ہیں۔

6......ایک اصول یہ ہے:

Give them gifts.

حالات اور موقع کی مناسبت سے بڑے چھوٹے تحفے بچوں کو دینے چاہییں۔اس سے بچوں کے دلوں میں محبت آتی ہے۔

7......ساتواں اصول ہے:

Look at the Positive.

''ہمیشہ ہر بات کے مثبت پہلو کو دیکھنا چاہیے اور منفی پہلو کو نظر انداز کرنا چاہیے۔''

8......سسر کو چاہیے کہ وہ:

Be a reconciliator not a home breaker.

''مصالحت کرنے والا بنے، گھر توڑنے والا نہ بنے۔''

ہم نے دیکھا ہے کہ بہت سارے گھروں میں بچی اگر بتاتی ہے کہ خاوند مجھے ستاتا ہے، تنگ کرتا ہے تو سب سے پہلے اس کا باپ ہی اس کو کہتا ہے: تجھے جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یوں وہ گھر کو توڑ دیتا ہے۔ یہ بات ذہن میں رکھیں کہ جوڑ ہمیشہ توڑ سے بہتر ہوا کرتا ہے،لہٰذا ہر ممکن جوڑ پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

بیٹی کو خاوند کے ساتھ اچھے برتاؤ کی تلقین:

((عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بن عُثْمَانَ الْقُرَشِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَى ابْنَتِهِ وَهِيَ تَغْسِلُ رَأْسَ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا فَقَالَ: يَا بُنَيَّةُ! أَحْسِنِيْ إِلَى أَبِي عَبْدِ اللّٰهِ فَإِنَّهُ أَشْبَهُ أَصْحَابِي بِي خُلُقًا.)) [معجم الطبرانی،حدیث:۹۸]

''عبدالرحمٰن بن عثمان قرشی سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی علیہ السلام اپنی بیٹی کے پاس تشریف لے گئے تو اس وقت وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا سر دھو رہی تھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے بیٹی! ابو عبداللہ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو، کیونکہ وہ میرے ساتھ اخلاق کے اعتبار سے صحابہ میں سب سے زیادہ مشابہت رکھتے ہیں۔''

اب دیکھیے! نبی علیہ السلام نے اپنی بیٹی کو کام کرتے دیکھا تو اس پر ان کی تعریف فرمائی کہ تم بہت اچھا کر رہی ہو۔ اپنے خاوند کا اور زیادہ خیال رکھا کرو۔

9 ...... سسر کو چاہیے کہ وہ اپنی بیٹی کو ہی سمجھاتا رہے کہ وہ اپنے گھر کو بسانے کے لیے ہر ممکن کوشش کرے۔

گڑبڑ تب ہوتی ہے جب بیٹی کو نہ سمجھایا جائے اور صرف اپنے داماد کو ہی سمجھایا جائے۔ اسی طرح لڑکے کے ماں باپ اپنی بہو کو سمجھاتے ہیں، مگر بیٹے کو نہیں سمجھاتے، اسے کچھ بھی نہیں کہتے۔ بیٹا جو کر رہا ہوتا ہے اس کی طرف داری کرتے رہتے ہیں، حتیٰ کہ اس کی غلط باتوں کا بھی دفاع کرتے ہیں۔ یہیں سے پھر مسائل شروع ہو جاتے ہیں۔

10 ......ایک پوائنٹ یہ بھی ہے:

Flexibility in scheduling family gathering and events.

''کوئی تقریب رکھنی ہو تو اس میں ایک دوسرے سے مشورہ کرنا چاہیے۔''
کیونکہ بچوں کی اپنی مصروفیات ہوتی ہیں، کمٹ منٹس ہوتی ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ بچوں کے لیے ان تقریبات میں شامل ہونا مشکل ہو جائے۔

11 ......ایک اور پوائنٹ ہے:

Fairness and equal treatment between children and grand children.

''بچوں کے ساتھ انصاف اور برابری کا برتاؤ کرنا چاہیے۔''

12 ......ایک بہت اچھا پوائنٹ ہے:

Do not deprive son in-law of the role as a problem solver and provider of the family.

''داماد کو اس کی ذمہ داریوں سے محروم نہیں کرنا چاہیے۔''
فیملی کو جو چیز پہنچانی ہے اس کا وہ ذمہ دار ہے اور ان کے مسائل کا حل کرنے والا بھی وہی ہے، لہٰذا اس کو اس سے محروم نہیں کرنا چاہیے۔

13 ......ایک نکتہ یہ بھی ہے:

Assistance should be given with no strings attached.

''مدد تو کریں، لیکن رسی نہ باندھیں۔''

14 ......چودھواں پوائنٹ ہے:

Cushioning the intrusive demands of mother in-law.

''ساس کے مداخلانہ رویے پر اس کو سمجھانا چاہیے۔''

15 ......پندرھواں پوائنٹ ہے:

Acknowledge son in-law's contributions as a husband and father in his daughter's life.

''اپنی بیٹی کا اچھا شوہر اور اچھا باپ بننے پر داماد کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے۔''

16 ......سولہواں پوائنٹ یہ ہے:

Take interest in son in- laws work.

''داماد کے کام میں سسر کو دلچسپی لینی چاہیے۔''

جس طرح وہ اپنے بیٹے کے کام میں دلچسپی لیتا ہے۔ چونکہ اس وقت اس کو سہارے کی ضرورت ہوتی ہے، لہٰذا اسے سہارا دینا چاہیے۔

نبی علیہ السلام کی دور اندیشی:

ایک دفعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف ابو جہل کی بیٹی کا رشتہ آیا۔ اب وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا رشتہ دار (چچا) تھا اور لڑکی بھی چچا زاد تھی، شکل وصورت کی بھی اچھی تھی اور قریش کے اندر عزت والے خاندان سے تھی۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سوچنا شروع کر دیا کہ کیا میں دوسری شادی کرلوں؟ جب نبی علیہ السلام کو پتا چلا تو اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو دوسری شادی کرنے سے منع کر دیا۔

کیا وجہ ہے کہ شریعت تو اجازت دیتی ہے اور نبی علیہ السلام ان کو منع کر رہے ہیں؟ علماء نے اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ جب سوکن آتی ہے تو وہ ایک دوسرے کو ان کے والدین کے طعنے دیتی ہے۔ اگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی سوکن آجاتی اور وہ ان کو والدین کا طعنہ دیتی تو یہ طعنہ سیدھا نبی علیہ السلام تک پہنچتا۔ اس لیے نبی علیہ السلام نے پہلے سے ہی منع ہی فرما دیا۔ اور جب نبی علیہ السلام نے سمجھایا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس ارادے کو ترک کر دیا۔

17......جتنی کوششیں کریں، اتنی ہی زیادہ دعائیں بھی کریں۔

اس لیے کہ انسان کسی بھی مشکل کے حل کے لیے جو اسباب اختیار کرتا ہے، ان میں سب سے بہتر سبب دعا ہوتی ہے۔

سسر چونکہ بڑا ہوتا ہے۔ اس لیے اسے چاہیے کہ وہ دعا بھی کرتا رہے کہ اللہ تعالیٰ بیٹے اور بہو کے درمیان محبت رکھے اور بیٹی اور داماد کے درمیان محبت رکھے۔ اللہ تعالیٰ ان دعاؤں کو رد نہیں فرماتے، بلکہ بڑوں کی دعائیں ہمیشہ کام آیا کرتی ہیں۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اللهم صل على
محمد
وعلى آل محمد كما صليت على ابراهيم
وعلى آل ابراهيم انك حميد مجيد
اللهم بارك على محمد وعلى آل محمد
كما باركت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم
انك حميد مجيد

مثالی داماد

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی أَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ؕ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا﴾

[الفرقان:۵۴]

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

سنورے اور بگڑے ہوئے انسان میں فرق:

انسان اگر سنور جائے تو فرشتوں کو پیچھے چھوڑ دیتا ہے اور بگڑ جائے تو شیطان کو بھی شرما دیتا ہے۔ بہو نیکی کی طبیعت والی ہو تو بہو ہوتی ہے اور اگر بگڑ جائے تو بھتو (جن بھوت کے جیسی) ہوتی ہے۔ یہی حال داماد کا ہے...... اگر نیکی پہ آ جائے تو بیٹوں کے مانند اور

اگر بگڑ جائے تو دل کو دکھی کر دیتا ہے۔

داماد ہو تو ایسا:

بہترین داماد کی مثال اگر دیکھنی ہو تو نبی علیہ السلام کے دامادوں کو ہی دیکھ لیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دامادوں میں سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا نمبر آتا ہے۔ اللہ نے ان کو مال بھی دیا تھا، سخاوت بھی دی تھی اور حیا ایسی دی تھی کہ فرشتے بھی ان سے شرماتے تھے۔ انسان کے اندر ایسی حیا ہو کہ فرشتے بھی اس سے شرم کریں۔ نبی علیہ السلام کی دو بیٹیاں ان کے نکاح میں آئیں، اس لیے ان کو ''ذی النورین'' [دو نوروں والے] کہا گیا۔

پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی مبارک زندگی کو دیکھیں تو اگرچہ غربت کا عالم ہے، مگر ان کے پاس علم ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

((أَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَ عَلِيٌّ بَابُهَا.)) [المستدرک علی الصحیحین، حدیث:۴۶۳۷]

''میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے۔''

چنانچہ نبی علیہ السلام سے دو علوم اُمت کے اندر پھیلے: ایک علومِ ولایت اور دوسرا علومِ نبوت۔ علومِ ولایت سب سے زیادہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ذریعے سے پھیلے، جبکہ علومِ نبوت سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ذریعے سے دنیا میں پھیلے۔

ہر ہر قدم پہ ایک غلام آزاد:

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو نبی علیہ السلام سے بہت زیادہ محبت تھی۔ کتابوں میں بہت واقعات ان کی محبت کے لکھے ہیں۔ ایک مرتبہ انہوں نے نبی علیہ السلام کو دعوت دی کہ اے اللہ کے حبیب! آپ میرے گھر تشریف لائیے اور کھانا کھائیے۔ نبی علیہ السلام نے دعوت قبول

فرمائی۔ چنانچہ جب عثمان غنی رضی اللہ عنہ ان کو لینے کے لیے آئے تو نبی علیہ السلام چل پڑے۔ اب عثمان غنی رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام کے قدمین مبارک ہی کو دیکھتے جا رہے ہیں نہ دائیں دیکھتے ہیں، نہ بائیں دیکھتے ہیں، نہ آگے دیکھتے ہیں نہ کہیں اور۔ بس قدموں ہی کی طرف دیکھتے جا رہے ہیں۔ جب گھر پہنچے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا: اے اللہ کے حبیب! آج پتا نہیں عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی کیا کیفیت تھی کہ وہ سارا راستہ آپ کے قدموں کو ہی دیکھتے رہے۔ نبی علیہ السلام نے ان سے پوچھا: عثمان! کیا ایسی ہی بات تھی؟ عرض کیا: جی اللہ کے حبیب! آج میرے گھر میں وہ ہستی مہمان آئی کہ میں نے دل میں یہ نیت کی ہوئی تھی کہ آپ اپنے مبارک گھر سے لے کر میرے گھر تک جتنے قدم چلیں گے میں اتنے غلام اللہ کے نام پہ آزاد کر دوں گا۔ یعنی ہر ہر قدم پہ غلام آزاد کروں گا۔ اُنہیں نبی علیہ السلام سے اتنی زیادہ محبت تھی۔

میں عثمان سے راضی ہوں تو بھی اس سے راضی ہو جا:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر والوں نے چار دن تک کوئی چیز نہ کھائی حتیٰ کہ بچے چیخنے لگے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر والوں کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: میرے بعد تمہیں کوئی چیز ملی ہے؟ میں نے عرض کیا: ہمارے پاس کہاں سے آتی اگر اللہ تعالیٰ آپ کے ہاتھ پر کسی چیز کو نہ لائے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو کیا اور حالتِ انقباض میں تشریف لے گئے پھر کبھی ایک جگہ نماز پڑھی اور کبھی دوسری جگہ اور پھر دعا میں مصروف ہو گئے۔ چنانچہ دن کے آخری حصہ میں عثمان رضی اللہ عنہ ہمارے پاس تشریف لائے، اجازت طلب کی، میں نے چاہا کہ معاملہ عثمان سے پوشیدہ رکھوں، لیکن پھر مجھے

خیال آیا کہ یہ مالدار مسلمانوں میں سے ہیں شاید اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ پر ہمارے لیے کوئی مال بھیجا ہو، چنانچہ میں نے انہیں اجازت دے دی، انہوں نے اندر آ کر پوچھا: اماں جان! رسول اللہ ﷺ کہاں ہیں؟ میں نے کہا: اے بیٹا! آپ ﷺ کے گھر والوں نے چار دنوں سے کوئی چیز نہیں کھائی، پھر میں نے ان کو رسول اللہ ﷺ کے متعلق بتایا تو وہ رونے لگے اور پھر فرمایا: اے اُمّ المؤمنین! اس دنیا کا ناس ہو جب آپ پر یہ مصیبت نازل ہوئی ہے تو آپ نے مجھے عبدالرحمٰن بن عوف، ثابت بن قیس اور ہم جیسے دوسرے مالدار مسلمانوں کو خبر کیوں نہیں کی؟ (یہ کہہ کر) عثمان رضی اللہ عنہ گھر سے باہر نکل گئے اور ہمارے لیے آٹا، گندم اور کھجور کے بہت سارے تھیلے بھیجے، کھال اُترے ہوئی ایک بکری بھی بھیجی، ایک تھیلی بھیجی جس میں تین سو درہم تھے پھر کہا: یہ سامان تمہیں جلدی میں بھیجا ہے جبکہ عثمان خود روٹیاں اور بھونا ہوا بہت سا گوشت لے کر آئے اور کہا: یہ کھاؤ اور رسول اللہ ﷺ کے لیے بھی رکھو، پھر مجھے قسم دے کر کہا: جب بھی ایسی حالت ہو تو مجھے ضرور خبر کرو۔

تھوڑی دیر بعد رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور فرمایا: اے عائشہ! میرے بعد تمہیں کوئی چیز ملی ہے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں یا رسول اللہ! مجھے علم تھا کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کے لیے تشریف لے گئے ہیں اور مجھے اس بات کا بھی یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی دعا کو رد نہیں فرمائیں گے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: تمہیں کیا چیز ملی؟ میں نے عرض کیا: اتنا آٹا، گندم اور کھجوریں، ایک تھیلی جس میں تین سو درہم، روٹیاں اور بھونا ہوا گوشت ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: یہ کس نے دیا ہے؟ میں نے عرض کیا: عثمان بن عفان میرے پاس آئے تھے، میں نے انہیں صورتحال بتائی تو وہ

رونے لگے...... پھر مجھے قسم دی کہ جب بھی ایسی حالت ہوتو میں انہیں ضرور خبر کروں۔
چنانچہ رسول اللہ ﷺ بیٹھے نہیں اور فوراً مسجد کی طرف چل پڑے اور دونوں ہاتھ اُٹھا کر دعا کرنے لگے:

((اَللّٰهُمَّ إِنِّي رَضِيتُ عَنْ عُثْمَانَ فَارْضَ عَنْهُ.)) [نزہۃ المجالس ومنتخب النفائس:۲/۷۷]

''یا اللہ! میں عثمان سے راضی ہوں تو بھی اس سے راضی ہوجا۔''

تین بار یہ دعا فرمائی۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ داماد کا اپنے سسر کے ساتھ اچھا تعلق ہونا چاہیے۔

اچھے داماد کی خوبیاں:

ریسرچ یہ ہے کہ جو داماد اپنے سسرال (بیوی کے گھر والوں) کے ساتھ اچھا تعلق رکھتا ہے تو اس کی طلاق کی شرح (20) بیس فیصد کم ہوجاتی ہے۔

Respect and love your in-laws like your own parents.

''سسرال والوں کی عزت اور ان سے محبت اسی طرح کرو جیسے اپنے ماں باپ کی عزت کی جاتی ہے۔''

Take care of them as your own parents.

''ان کا اسی طرح خیال رکھو جس طرح انسان اپنے ماں باپ کا خیال رکھتا ہے۔''

کیونکہ شریعت نے ان کو ماں باپ کا رتبہ اور درجہ عطا کیا ہے۔

Remember their important occasions and events.

''سسرال والوں کی زندگی کے اہم موقعوں کا خیال رکھنا چاہیے تاکہ انسان ان کی خوشیوں میں شریک ہوسکے، حصہ ڈال سکے۔''

پھر اپنے ساس سسر کو وقتاً فوقتاً فون کرتے رہنا چاہیے تاکہ ان کی خیریت معلوم کی

جا سکے اور ان کو اخلاقی طور پر سہارا دیا جا سکے۔

Consider and take seriously the advices and suggestions given by your in-laws.

''سسرال والے (ساس سسر) جو مشورہ دیتے ہیں وہ ہمیشہ بڑے غور سے سننا چاہیے۔ اس پر عمل کرنے سے میاں بیوی کا آپس کا تعلق اچھا رہتا ہے اور زندگی کے اندر پریشانی نہیں آتی۔''

Ask for their opinions in different matters.

''مختلف کاموں میں جو بھی انسان کرنا چاہے، اگر اپنے ساس سسر کا مشورہ لے لے تو اس سے ان کو خوشی بھی ہوتی ہے اور انسان غلطیاں بھی کم کرتا ہے۔''

Give them gifts.

''وقتاً فوقتاً اپنی حیثیت کے مطابق انسان ان کو تحفے بھی دے۔''

تحفے کی مالیت کا کوئی اتنا فرق نہیں پڑتا، بے شک کم قیمت ہوں، مگر ان کی ضرورت کے مطابق ہوں۔ اس سے ان کو خوشی ہوتی ہے۔ کیونکہ:

It is not the thing which counts,but it is the thought that counts.

''چیز کا مسئلہ نہیں ہوتا، بلکہ چیز کے پیچھے جو سوچ ہوتی ہے ان کو اس سوچ سے خوشی ہوتی ہے کہ اس بچے نے ہمیں اپنے ماں باپ کا درجہ دیا اور ہمیں اس نے گفٹ دیا۔''

Love their daughter,they will be happy.

''سسرال والوں کو خوش کرنے کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ ان کی بیٹی کو محبت پیار سے رکھیں۔ وہ سب کے سب خود ہی خوش ہوں گے۔''

Praise your wife infront of her parents.

''سسرال میں اگر ہوں تو اپنی بیوی کی تعریف اس کے والدین کے سامنے کریں۔''

اس سے بیوی کا دل بھی خوش ہوتا ہے اور ماں باپ کا دل بھی مطمئن ہو جاتا ہے کہ داماد ہماری بیٹی سے محبت پیار کرتا ہے۔ اس کو محبت سے یہ اپنے پاس رکھے گا۔

Attend family gathering and bond with them.

''خاندان کی تقریبات میں جائیں اور سسرال والوں کے ساتھ تعلق کو گہرا بنائیں۔''

Build special relationship with your father in-law.

''سسر کے ساتھ اپنا تعلق زیادہ مضبوط رکھیں۔''

مرد مردوں کی طبیعتوں کو جلدی سمجھتے ہیں، اس لیے سسر کو اپنی بات بتانا یا سمجھانا نسبتاً آسان ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کے ساتھ انسان اپنا تعلق زیادہ مضبوط رکھے۔ اس کی وجہ سے بیٹی بھی خوش رہتی ہے کہ میرے ابو کے ساتھ میرے میاں کے اچھے تعلقات ہیں۔

اگر سسرال والوں کے ساتھ تعلقات رکھنے میں کوئی مسئلہ بن رہا ہے تو اپنی بیوی سے اس بارے میں بات کریں۔ وہ ہمیشہ خاوند کو صحیح مشورہ دے گی کہ اس طرح کرنے سے اس کی مناسبت پہلے کی نسبت بہتر ہو جائے گی۔

Never stop your wife from sitting with her parents.

''اگر بیوی کا دل چاہے کہ وہ اپنے ماں باپ کے پاس جائے اور ان سے ملے تو خاوند کو چاہیے کہ حتی الوسع اس کے جانے میں رکاوٹ پیدا نہ کرے۔''

بیوی کو میکے جانے سے نہ روکیں:

ایک مرتبہ ایک مسئلہ ہمارے سامنے آیا۔ ہمارے ایک قریبی تعلق والے حافظ صاحب ہیں۔ ان کی بیوی عالمہ ہے۔ اس بچی نے ہمیں بتایا کہ مجھے شادی کے بعد اپنے

ماں باپ کو دیکھے ہوئے نو سال گزر گئے ہیں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میں سال میں کم از کم ایک دفعہ تو جا کے ماں باپ کو دیکھوں، مگر خاوند کہتا ہے: میرے پاس وسائل نہیں ہیں کہ میں ٹکٹ کے پیسوں کا انتظام کرسکوں۔ میں نے پوچھا: کیا وہ خود جاتے ہیں؟ کہنے لگی: سال میں دو دفعہ، تین دفعہ حتیٰ کہ چار دفعہ تک خود چکر لگا لیتے ہیں۔ یہ سن کر میں نے کہا: یہ تو ناانصافی ہے کہ اپنے ماں باپ کو ملنے کے لیے دو دفعہ، تین دفعہ حتیٰ کہ چار دفعہ بھی چکر لگ رہا ہے اور بیوی کو کہا جا رہا ہے کہ میں خرچہ نہیں اُٹھا سکتا۔ اس کو باندھ کے بٹھایا ہوا ہے، صرف اس لیے کہ وہ نیک اور دین دار ہے، جھگڑا نہیں کرتی، گھر میں تماشے نہیں کرتی، لہٰذا احساس ہی نہیں۔ بہر حال پھر میں نے اس کے شوہر کو سمجھایا کہ آپ نے اپنی بیوی کو کیوں قید کیا ہوا ہے؟ وہ انسان ہے، اس کا بھی دل ہے۔ انسان اپنے ماں باپ کے لیے اُداس ہوتا ہے اور یہ ایسے قریبی رشتے ہیں کہ جن سے انسان پیچھے نہیں ہٹ سکتا۔ لہٰذا آپ مہربانی فرمائیں اور خود بے شک ایک چکر لگا لیں، مگر ایک چکر ان کو بھی لگانے دیں۔ بہر حال انہوں نے پھر مہربانی کی اور اپنے بیوی بچوں کو بھیجا اور یوں ان کی اپنے ماں باپ سے ملاقات ہوگئی۔

یہ ناانصافی ہوتی ہے کہ بیوی اپنے ماں باپ سے ملنا چاہے اور خاوند اس میں رکاوٹ ڈال دے۔

جب بھی بیوی کو بھیجنا ہو تو ہمیشہ کوشش یہ کرنی چاہیے کہ انسان خود اس کو چھوڑ کے آئے اور خود اس کو لینے بھی جائے۔ کئی صاحبان بڑے نازنین اور شہزادے بنتے ہیں، کہتے ہیں: میری طرف سے تمہیں جانے کی اجازت ہے۔ ابو سے کہو کہ تمہیں آکے لے جائیں اور پھر واپس چھوڑ جائیں۔ ایسے نہیں کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ مہربانی

فرماتے ہیں اس بندے پر جو اپنے اہل خانہ پر خرچ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے رزق میں بہت برکتیں ڈال دیتے ہیں۔

Don't be impatient with your inlaws.

''اپنے سسرال والوں کے ساتھ تحمل اور برداشت کا مظاہرہ کریں۔''

......پھر ایک پوائنٹ ہے:

Welcome them to your home.

''اگر ماں باپ اپنی بیٹی کو ملنے کے لیے آنا چاہیں تو ہمیشہ خوشی سے ان کا استقبال کریں، کبھی ان کو انکار نہ کریں۔''

Talk about your strengths to your father in-law.

''اگر آپ کے اندر کچھ خوبیاں ہیں، اچھی باتیں ہیں تو آپ ان کے بارے میں اپنے سسر سے بات کریں۔''

چونکہ وہ بھی مرد ہے تو وہ آسانی سے آپ کی باتوں کو سمجھ جائے گا اور جب وہ مطمئن ہو جائے گا تو اس کی وجہ سے سارے گھر والے مطمئن ہو جائیں گے۔

Project ambitions infront of father in-law.

''سسر کے سامنے اپنی زندگی کے مقاصد ضرور بیان کریں۔''

اس سے سسر کو خوشی ہوتی ہے کہ بچہ اپنی زندگی میں کچھ بَن کے دکھانا چاہتا ہے، محنت کرنے والا بچہ ہے۔ یہ ضروری نہیں ہوتا کہ والدین کو صرف اسی بات پہ خوشی ہو کہ بچہ اس وقت کیا ہے؟ ہر بندہ شروع میں آسمانوں پہ نہیں ہوتا، مگر وہ یہ ضرور چاہتے ہیں کہ بچہ جہاں بھی ہے، اس کے اندر آگے ترقی کرنے کی قوت ہونی چاہیے، ہمت ہونی چاہیے۔ اگر وہ اپنے آپ کو آگے بڑھانے کے لیے جدوجہد کرے تو اس سے ان کو خوشی ہوتی ہے

کہ بچہ محنت کر رہا ہے اور آگے بڑھنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس لیے اپنی زندگی کے مقاصد ان کے سامنے خوب بیان کریں۔

Answer them nicely, Act maturely.

"جب بھی ان سے بات کریں تو اچھے طریقے سے بات کریں۔"

Avoid criticism on contraversial issues like politics.

"کوشش کریں کہ سسرال والوں کے ساتھ سیاست وغیرہ پہ بات چیت نہ کریں۔"

کیونکہ اکثر و بیشتر لوگوں کی رائے مختلف ہوتی ہے اور مختلف نقطۂ نظر کی وجہ سے ایک دوسرے کے ساتھ طبیعتوں میں مخالفت آ جاتی ہے۔ چونکہ یہ نازک رشتہ ہے، لہٰذا اس کو خراب نہیں ہونے دینا چاہیے۔ ایسی باتیں کرنے سے ہی گریز کریں۔

Try to get in mother in-law's good books.

"ساس کے ساتھ اچھا تعلق استوار کرنے کی کوشش کریں۔"

جب ماں مطمئن ہوگی تو یقیناً بیٹی اس سے زیادہ خوش ہو جائے گی۔

Let go of small grudges about in-laws.

"سسرال والوں کے بارے میں اگر کوئی چھوٹی موٹی باتیں ہوں تو ان کو دل سے نکال دینا چاہیے۔"

انسان اگر تنقیدی نظر سے دیکھنا شروع کر دے تو پھر وہ دوسرے کے اندر بہت بُرائیاں نکال لیتا ہے، لیکن اگر اس کو نظر انداز کرنا چاہے تو وہ نظر انداز بھی کر سکتا ہے۔ لہٰذا چھوٹی چھوٹی باتوں کو نظر انداز کر کے اپنے تعلق کو بہت مضبوط بنانا چاہیے۔

گورنمنٹ کے داماد نہ بنیں:

ہمارے ہاں جو نیک بچے ہوتے ہیں، وہ تو سسرال والوں کے لیے اولاد کے مانند بن

کے رہتے ہیں اور جو نیک نہیں ہوتے، وہ بیویوں کو تنگ کرتے ہیں اور سسرال والوں کے لیے پریشانی کا سبب بنتے ہیں۔اسی لیے داماد کا رشتہ عام طور پر بڑا نازک رشتہ سمجھا جاتا ہے۔ ہمارے ملک میں جو کلرک بادشاہ کام نہیں کرتے تو بات کرتے ہوئے ان کے بارے میں کہا جاتا ہے: یہ تو گورنمنٹ کے داماد ہیں، ان کو کام کے لیے کیا کہنا۔یعنی ان کے لیے یہ ایک کہاوت بن گئی ہے کہ آپ ان کو کچھ کہہ ہی نہیں سکتے۔

تین دامادوں کا امتحان:

کتابوں میں ایک لطیفہ لکھا ہے کہ ایک ساس کے تین داماد تھے اور ساس کو تیرنا نہیں آتا تھا۔ایک دن اس نے سوچا کہ میں ذرا معلوم تو کروں کہ میرے تینوں دامادوں میں سے کس کو سب سے زیادہ مجھ سے محبت ہے؟ چنانچہ اس نے پہلے داماد کو دعوت دی، کھانا کھلایا اور پھر اسے گھر کے سوئمنگ پول کے قریب لے آئی۔سوئمنگ پول کے قریب آکر اس نے پاؤں پھسلنے کا بہانہ کیا اور سوئمنگ پول میں گر گئی۔اس کا داماد قریب ہی تھا۔اس نے دیکھا کہ میری ساس سوئمنگ پول کے اندر گر گئی ہے تو اس نے فوراً چھلانگ لگا دی اور ساس کو فوراً باہر نکال لیا۔اس بات پہ ساس بہت خوش ہوئی اور اس نے اس کو نئی (TOYOTA) ٹیوٹا گاڑی لے کر تحفے میں دی کہ میرے داماد نے میری جان بچائی ہے۔

اب اس نے دوسرے داماد کو مدعو کیا، کھانا کھلایا اور پھر اسی طرح بات کرتے کرتے سوئمنگ پول کے قریب پہنچے تو ساس صاحبہ پھر پانی میں گر گئیں۔اب یہ جو داماد تھا، اس نے فیصلہ کرنے میں تھوڑی دیر کر دی۔یہ سوچنے لگا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے؟ لہٰذا یہ باہر کھڑا ہی اس کو کہتا رہا: نکل آئیں، ادھر آئیں، مگر خود اس نے چھلانگ نہیں لگائی۔اس دوران ساس کو چند اچھی ڈبکیاں آگئیں۔بالآخر اس داماد نے بھی کچھ دیر سوچنے کے

بعد چھلانگ لگائی اور اپنی ساس کو نکال لیا۔ وہ بچ تو گئی، مگر بہر حال اس کو اچھی خاصی ڈبکیاں آ گئی تھیں۔ اب ساس نے سوچا کہ میرے اس داماد کو مجھ سے نسبتاً کم محبت ہے۔ چنانچہ اس نے تحفے میں اسے موٹر سائیکل لے کر دیا۔

کچھ عرصے کے بعد اس نے تیسرے داماد کی دعوت کی، کھانا کھلایا، پھر کھانا کھلانے کے بعد بات چیت کرتے ہوئے وہ گھر کے سوئمنگ پول کے قریب آئے اور ساس صاحبہ بہانے سے پانی کے اندر پھر گر گئیں۔ اب اس کا یہ تیسرا داماد سوچنے لگا کہ پہلے نے جان بچائی تھی تو اس کو ٹیوٹا (TOYOTA) کار ملی، دوسرے نے جان بچائی تو اس کو موٹر سائیکل ملا۔ اب میں اگر جان بچاؤں گا تو مجھے تو سائیکل ملے گا اور میرے پاس تو سائیکل پہلے سے ہے، لہٰذا کوئی ضرورت نہیں جان بچانے کی۔ چنانچہ اس نے چھلانگ نہیں لگائی۔

نتیجہ یہ نکلا کہ ساس صاحبہ چونکہ تیرنا تو جانتی نہیں تھیں، لہٰذا ڈوب گئیں۔ جب وہ ڈوب گئیں تو پوری فیملی کے اندر ایک غم کی حالت تھی۔ خیر! یہ داماد جب اگلے دن اُٹھا تو اس کے دروازے کے باہر ایک نئی فیراری (FERRARI) گاڑی کھڑی ہوئی تھی۔ یہ اس کو دیکھ کر حیران ہوا کہ یہ فیراری گاڑی کہاں سے آئی؟ جب قریب جا کے دیکھا تو اس پہ ایک نوٹ لکھا ہوا تھا: ''یہ تمہارے سسر کی طرف سے تمہیں ہدیہ ہے۔'' یعنی کہ سسر بیچارے کی جان چھوٹ گئی۔

بیویاں اپنے خاوندوں سے کیا چاہتی ہیں؟

ایک ریسرچ پیپر میں یونیورسٹی کے بہت بڑے ڈاکٹر اور سپیشلسٹ نے حصہ لیا، جن کو انسانی تعلقات کے اوپر بڑی مہارت تھی۔ انہوں نے کئی سو کامیاب عورتوں (وہ عورتیں جو

بہت تعلیم یافتہ تھیں اور خوشحال ازدواجی زندگی گزار رہی تھیں) سے انٹرویو کیا اور اس میں ان سے کہا: ہمیں یہ بتاؤ کہ عورت کی تمنا خاوند کے معاملے میں کیا ہوتی ہے؟ ان عورتوں نے جواب میں کچھ باتیں بتائیں، جن سے پتا چلتا ہے کہ عورت کی کبھی بھی یہ خواہش نہیں ہوتی کہ میرا خاوند دنیا کا امیر ترین انسان بن جائے۔ مگر ان کی یہ خواہش ضرور ہوتی ہے کہ میرا خاوند جیسا بھی ہے، اس کے اندر آگے بڑھنے کا شوق ضرور پیدا ہو جائے۔ وہ اس کے لیے محنت کرے اور کوشش کرے تو یہی چیز عورتوں کو خوش کر دیتی ہے۔

بیویوں کو جذباتی سہارا دیں:

......پہلی بات جو اُن عورتوں نے بتائی وہ یہ تھی:

''ہم چاہتی ہیں کہ خاوند ہمارے ساتھ اچھی طرح بات چیت کرے اور ہمیں جذباتی سہارا دے۔''

یعنی بات چیت کرنا اور جذباتی سہارا دینا، عورت کے لیے کھانے پینے سے بھی زیادہ ضروری ہوتا ہے۔ اللہ کی شان کہ آج کل کے خاوندوں کے پاس فرصت ہی نہیں ہوتی اور وہ بیوی سے بات ہی نہیں کرتے۔ آدھا فقرہ اگر بیوی بولے گی تو اس پر ناراض ہو کے چیخنا شروع کر دیں گے۔ یاد رکھیں! بیوی سے بات چیت نہ کر کے خاوند بہت بڑی غلطی کرتا ہے۔ سائنس بتاتی ہے کہ انسان کے دماغ میں جو بات چیت کرنے والا حصہ ہے، اس سے انسان کے جسم میں جانے والی وائرنگ (دماغی خلیوں) کی تعداد جتنی مردوں میں ہوتی ہے، اس سے دُگنی وائرنگ عورت میں ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بات چیت عورت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اللہ نے اس کی ساخت ہی ایسی بنائی ہے کہ وہ بات چیت کیے بغیر رہ ہی نہیں سکتی۔

بیوی سے دن کی کارگزاری سنیں:

اس میں بھی اللہ تعالیٰ نے حکمت رکھی ہے اور وہ حکمت یہ ہے کہ خاوند گھر سے روزانہ اپنے دفتر یا فیکٹری میں چلا جاتا ہے اور شام میں یا رات میں گھر آتا ہے تو عورت دن کی کارگزاری اپنے خاوند کو سنائے بغیر رہ ہی نہیں سکتی۔ اس کا دل چاہتا ہے کہ میرا خاوند آئے، میرے پاس چند منٹ بیٹھے، مجھ سے پوچھے: دن کیسا گزرا؟ میں اس کو ساری کارگزاری سناؤں۔ مگر جب خاوند آ کے اس سے بات ہی نہیں کرتا تو عورت کی ضرورت پوری نہیں ہوتی۔ لہٰذا عورت کی بات ہمیشہ سُنی چاہیے، اس کو وقت دینا چاہیے اور اس کی بات کو تسلی کے ساتھ بیٹھ کے سننا چاہیے۔ یہ اس کا خاوند پر حق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ اپنی بیوی کی بات نہیں سنتے، ان کے گھروں میں خرابیاں آ جاتی ہیں۔ عورت نے بات تو کرنی ہی ہے، کیونکہ اس کی وائرنگ ہی ایسی ہے۔ لہٰذا پھر جب وہ اپنی کسی سہیلی سے بات کرے گی تو وہ جوان بچی اس کو اُلٹے سیدھے مشورے دے گی۔ کیونکہ:

Young leading the young is like a blind leading a blind.
They will both fall into the ditch.

''اگر ایک نوجوان کسی دوسرے نوجوان کی رہنمائی کرے تو یہ ایسا ہے جیسے ایک اندھا دوسرے اندھے کو راستہ دکھائے۔ اس سے دونوں ہی گڑھے میں گر جائیں گے۔''

یا پھر وہ اپنی ماں کو فون کرے گی اور اس سے مشورے لینے شروع کر دے گی۔ یہ ریموٹ کنٹرول جیسی حالت بھی اچھی نہیں ہے۔ اور اگر خدانخواستہ قریب کے کسی غیر محرم مرد کو بھنک پڑ گئی تو وہ اس کا بڑا ہمدرد بن کے اس کی بات کو سنے گا اور عورت شیطان کے راستے پہ چل پڑے گی۔ چنانچہ جو لوگ اپنی بیویوں کی بات نہیں سنتے، وہ اپنی بیوی کو گناہ

کے راستے پہ دھکے دے رہے ہوتے ہیں۔ یہ اس کا حق ہے کہ اس کی بات کو سنا جائے۔ اس پر پندرہ منٹ لگیں، آدھا گھنٹہ لگے یا ایک گھنٹہ لگے، اس کو پورا کرنا ضروری ہے۔ لہٰذا بیوی کی بات کو توجہ سے سننا اور پھر اس کے مطابق اس سے گفتگو کرنا، یہ سب سے پہلا مطالبہ ہوتا ہے کسی بھی بیوی کا۔ مرد بولتے کم ہیں اور اپنے کام زیادہ کرتے ہیں۔

...پھر ان عورتوں نے کہا کہ ہم ایسے خاوند کو پسند کرتی ہیں:

Someone who is striving for excellence in spirituality.

''جو روحانیت میں آگے بڑھنے کے لیے کوششیں کر رہا ہو۔''

یعنی جو چاہے کہ روحانی بیماریاں مثلاً شہوت، غضب، بخل، حرص، عجب، تکبر اور کینہ وغیرہ میرے اندر سے ختم ہو جائیں اور اس کے لیے وہ کوشش کر رہا ہو تو ایسا خاوند ان کو اچھا لگتا ہے کہ ہمارا خاوند اپنے اندر اخلاقی اقدار پیدا کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

He should strive to the best and we know that no one is perfect.

''ہم اس بات کو جانتی ہیں کہ کوئی انسان مکمل نہیں ہوتا، لیکن اس کو اچھا بننے کے لیے اپنی پوری کوشش تو کرنی چاہیے۔''

...پھر ان کی ایک بات یہ تھی کہ ہمیں خاوند ایسا اچھا لگتا ہے:

Someone who is concerned to know what is happening with me.

''جس کو یہ فکر ہو کہ ہمارے ساتھ کیا گزر رہی ہے؟''

وہ یہ معلوم کرے، ہم سے پوچھے، ہمیں موقع دے بات کرنے کا، بتانے کا۔

...پھر انہوں نے کہا کہ ہم ایسے خاوند کو پسند کرتی ہیں جو:

Who is family oriented.

''گھر والوں کے ساتھ گھل مل کر رہنے والا ہو۔''

اس لیے خاوند کو چاہیے کہ وہ گھر والوں کے ساتھ گھل مل جائے، بچوں سے پیار محبت رکھے اور گھر کے کاموں میں دلچسپی لے۔

.....آخری پوائنٹ انہوں نے یہ بتایا کہ ہم چاہتی ہیں کہ ہمارا خاوند ایسا ہو، جس کی اچھائیوں کی وجہ سے اس کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کو ہمارا دل چاہے۔

اس لیے انسان کو گھر کے اندر اتنے عمدہ اخلاق والی زندگی گزارنی چاہیے کہ بیوی، خاوند کے اخلاق کی وجہ سے اس پر قربان ہو جائے۔ رزق کے فیصلے تو اللہ تعالیٰ نے کرنے ہوتے ہیں، اگر انسان اچھے اخلاق کا مظاہرہ کرے تو ہم نے دیکھا ہے کہ عورت غربت کے اندر بھی گزارا کر لیتی ہے، تنگی ترشی بھی برداشت کر لیتی ہے، مگر اس کو محبت پیار ضرور ملنا چاہیے۔

بندر داماد کیسے بنتا ہے؟

جب ہم بہت چھوٹی عمر کے تھے، پرائمری اسکول میں دوسری یا تیسری کلاس میں پڑھتے تھے تو اس زمانے میں ہمارے ہاں کچھ مداری آتے تھے جو بندر اور ریچھ کے کرتب دکھایا کرتے تھے۔ ہماری یہی تفریح ہوتی تھی، کیونکہ اس زمانے میں نہ سیل فون ہوتے تھے، نہ ہی ٹی وی کی اسکرین ہوتی تھی، بلکہ بہت نیکی کا سادہ زمانہ تھا۔ چنانچہ جب بھی مداری ڈگڈگی بجاتا تھا تو محلے کے سارے بچے اکٹھے ہو جاتے تھے اور اس کا تماشا دیکھتے تھے۔ کبھی کبھی وہ بندر کا تماشا بھی دکھاتا تھا۔ بندر کے تماشے میں سب سے اہم بات یہ ہوتی تھی کہ مالک بندر کو کہتا تھا: جب تو اپنے سسرال جائے گا تو کیسے جائے

گا؟ اور بندر یہ سنتے ہی اپنے سر پر ایک ٹوپی رکھتا اور کوئی چیز ہاتھ میں پکڑتا اور پھر وہ اپنی کمر کے اوپر ہاتھ رکھ کے ایسی شان سے چلتا تھا، جیسے معلوم نہیں کون شہزادہ آ رہا ہے؟ اس چھوٹی عمر میں ہم نے بندر کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

سسرال والوں سے جتنا ہو سکتا ہے، وہ اپنے داماد کی عزت تو کرتے ہیں، مگر داماد کو بھی حقیقت پسندانہ توقعات ہی رکھنی چاہئیں۔ وہ اپنے آپ کو گھر کا فرد ہی سمجھے اور محبت پیار سے زندگی گزارے۔ دنیا کی زندگی تو گزر ہی جائے گی، لیکن اگر محبت پیار سے رہے گا تو اللہ کے ہاں کامیابی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہمارے گھروں کی پریشانیوں کو دور کرے اور بچوں کو خوشیوں بھری زندگی نصیب فرمائے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

الله جل
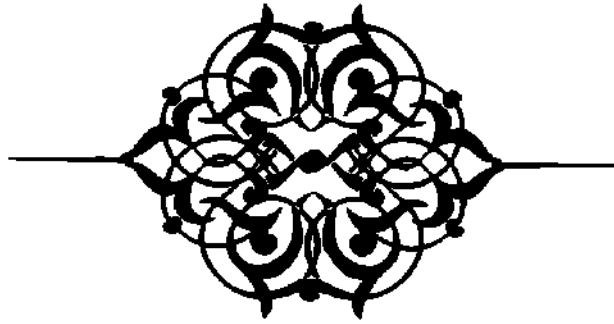
مثالی شاگرد

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى أَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا﴾ [طٰہٰ: ۱۱۴]

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

علم کی اہمیت:

بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ حضور انور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اَلْعِلْمُ نُوْرٌ.)) [من فضائل العلم، صفحہ: ۱]

''علم روشنی ہے۔''

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جہالت اندھیرا ہے۔ لہٰذا دین اسلام ہمیں اندھیرے

سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے۔ دین اسلام نے علم کی اتنی اہمیت بیان کی ہے کہ اتنا کسی اور نے بیان نہیں کی۔

انسانیت کے نام اللہ کا پہلا پیغام......علم سے متعلق:

آپ غور کریں کہ نبی علیہ السلام پر جو پہلی وحی نازل ہوئی، وہ اللہ کا اپنے بندوں کے نام پہلا پیغام تھا۔ یہ پیغام توحید سے متعلق بھی ہوسکتا تھا، اس لیے کہ توحید کی اتنی اہمیت ہے کہ جو بندہ مشرک ہوگا وہ کبھی جنت میں جا ہی نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ﴾

[النساء:۴۸]

''بے شک اللہ اس بات کو معاف نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے، اور اس سے کمتر ہر بات کو جس کے لیے چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے۔''

یہ اتنی بڑی اہمیت والی بات تھی تو اللہ تعالیٰ پہلا پیغام یہی بھیجتے کہ توحید کے اوپر تم پکے ہو جاؤ۔ اگر یہ نہیں تھا تو اللہ تعالیٰ رسالت کے بارے میں بتا دیتے کہ تم میرے رسول کو مانو اور ان کی باتوں پہ عمل کرو۔ اس لیے کہ رسالت کے بغیر انسان کا ایمان مکمل نہیں ہوتا۔ چنانچہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

((لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ.)) [صحیح بخاری، حدیث:۱۵ باب حب الرسول ﷺ من الایمان]

''تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والد اور اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔''

تو رسالت کی اپنی اہمیت ہے۔ اچھا! رسالت کا بھی تذکرہ نہ ہوا تو چلو قیامت کا ہی تذکرہ

کردیا جاتا۔ اس لیے کہ قیامت کا دن، انسان کی زندگی کا بہت اہم دن ہے، اس کو قرآنِ مجید میں ''یوم التغابن'' کہا گیا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ﴾[التغابن:۹]

''اس دن جب اللہ تمہیں روزِ حشر میں اکٹھا کرے گا وہ ایسا دن ہوگا جس میں کچھ لوگ دوسروں کو حسرت میں ڈال دیں گے۔''

''تَغَابُنْ'' کا معنی ہوتا ہے فیصلہ کرنا، نکھار کر دینا، فرق کر دینا۔ لہٰذا ''يَوْمُ التَّغَابُنْ'' کا معنی یہ ہوا کہ اے انسان! یہ تیرے لیے فیصلے کا دن ہے، یا تو زندگی کی بازی جیت جائے گا یا ہار جائے گا۔ اگر یہ ہار جیت کا دن تھا تو اس کے بارے میں بتا دیتے، مگر اللہ تعالیٰ نے جو پہلا پیغام بھیجا نہ تو وہ توحید سے متعلق تھا، نہ رسالت اور نہ ہی قیامت کے دن کے متعلق، بلکہ وہ علم سے متعلق تھا۔ چنانچہ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝﴾[العلق:۱تا۵]

''پڑھو اپنے پروردگار کا نام لے کر جس نے سب کچھ پیدا کیا۔ اس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا ہے۔ پڑھو، اور تمہارا پروردگار سب سے زیادہ کرم والا ہے۔ جس نے قلم سے تعلیم دی۔ انسان کو اس بات کی تعلیم دی جو وہ نہیں جانتا تھا۔''

علم کی اتنی اہمیت ہے کہ پہلا پیغام جو اللہ نے بندوں کو بھیجا، وہ علم سے متعلق تھا۔ لہٰذا علم بہت اہمیت رکھتا ہے۔

صاحبِ علم، اللہ کا مقرب:

جس بندے کے پاس علم ہوتا ہے، وہ اللہ کا مقرب ہوتا ہے اور جو علم سے خالی ہو، وہ

اللہ سے دور ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں ارشاد فرمایا:

﴿هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۭ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝﴾

[الزمر:۹]

''کیا وہ جو جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے سب برابر ہیں؟ (مگر) نصیحت تو وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو عقل والے ہیں۔''

جو بے عقل انسان ہے اس سے تو ہماری بحث ہی نہیں۔ لیکن جو عقلمند ہے وہ کہے گا کہ علم والا اور بے علم برابر نہیں ہوتے۔

احادیث کی روشنی میں طالب علم کا مقام:

.....نبی کریم ﷺ نے علم کی اہمیت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

((مَا مِنْ خَارِجٍ يَخْرُجُ مِنْ بَيْتٍ فِي طَلَبِ الْعِلْمِ إِلَّا وَضَعَتْ لَهُ الْمَلَائِكَةُ أَجْنِحَتَهَا رِضًا بِمَا يَصْنَعُ.)) [سنن ابن ماجہ، حدیث:۲۲۶]

''جو شخص بھی اپنے گھر سے حصولِ علم کے لیے نکلتا ہے تو فرشتے اس کے پاؤں تلے اپنے پَر بچھاتے ہیں، چونکہ وہ اس کی طالب علمی سے خوش ہوتے ہیں۔''

اب یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے۔ ہم نے دنیا میں دیکھا ہے کہ جو بڑے اور عزت والے لوگ ہوتے ہیں، ایئرپورٹس پہ ان کے پاؤں کے نیچے ریڈ کارپٹ (سرخ قالین) بچھایا جاتا ہے۔ اگر دنیا ریڈ کارپٹ بچھاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے فرشتے اپنے پَر بچھا دیتے ہیں، یہ محبت کی بات ہے۔ فرشتوں کو طالب علم سے محبت ایسی ہے کہ ان کا دل چاہتا ہے کہ اس کا پاؤں زمین پر نہ پڑے، بلکہ ہمارے پَروں کے اوپر پڑے۔ جیسے بعض جگہ محبت کی وجہ سے لوگ اپنے محبوب کے آنے پر پھولوں کی پتیاں بچھا دیتے ہیں اور کئی جگہوں پر تو اس سے بھی

آگے کام ہوتا ہے۔ بقولِ شخصے:

اے بادِ صبا! کچھ تو ہی بتا مہمان جو آنے والے ہیں
کلیاں نہ بچھانا راہوں میں ہم پلکیں بچھانے والے ہیں

تو آنے والے مہمان کی محبت کی وجہ سے انسان پلکیں بچھاتا ہے۔ اسی طرح جو لوگ اللہ کے دین کا علم حاصل کرنے کے لیے اپنے گھر سے نکلتے ہیں تو فرشتے ان کے پاؤں کے نیچے اپنے پَر بچھا دیتے ہیں۔ یہ اس طالب علم کا احترام ہے جو طلب علم کے لیے اپنے گھر سے نکلا ہے۔

....ایک حدیث پاک میں ہے:

((مَنْ كَانَ فِيْ طَلَبِ الْعِلْمِ كَانَتِ الْجَنَّةُ فِيْ طَلَبِهٖ.)) [جامع الاحادیث، حدیث: ۲۳۵۵۴]

''جو شخص علم کی طلب میں ہوتا ہے، جنت اس کی طلب میں ہوتی ہے۔''

جنت یہ خواہش کرتی ہے کہ کاش! یہ بندہ میرا اندر آئے...... اللہ اکبر کبیرا...... اللہ نے علم کو کیا مقام عطا فرمایا ہے!!

علماء ستاروں کے مانند:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((إِنَّ مَثَلَ الْعُلَمَاءِ فِي الْأَرْضِ كَمَثَلِ النُّجُومِ فِي السَّمَاءِ.))

[مسند احمد بن حنبل، حدیث: ۱۲۶۰۰]

''جس طرح آسمان کی زینت ستاروں سے ہے، اسی طرح زمین کی زینت علماء سے ہے۔''

یعنی جیسے آسمان پہ ستارے چمکتے ہیں، ایسے ہی علماء اہل آسمان کے لیے زمین کے ستاروں کے مانند چمکتے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَلْتَمِسُ فِيهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللهُ لَهُ بِهِ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ.))

[صحیح مسلم،حدیث:۷۰۲۸]

''جوشخص علم حاصل کرنے کے راستے پہ چلتا ہے اللہ اس کے بدلے اس کے لیے جنت میں جانے کا راستہ آسان کر دیتے ہیں۔''

طالب علم نے علم کی طلب میں سفر کیا تو اللہ نے اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کر دیا۔ سبحان اللہ!

اسلام کا پہلا مدرسہ اور اس کے مثالی طلبہ:

نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خود علم سکھایا۔ مدینہ طیبہ پہنچ کر آپ ﷺ نے ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی، اس مدرسے کا کوئی نام نہیں تھا، اس کے طلبہ مہاجرین تھے جو مکہ سے ہجرت کر کے آئے تھے اور وہ سارا دن پڑھنے کے لیے حاضر تھے۔ یہ اقامتی مدرسہ تھا اور اس میں ستر کے قریب طلبہ تھے جو وہیں رہتے تھے، ان کا کھانا پینا بھی وہیں تھا اور وہیں پہ وہ علم حاصل کرتے تھے۔ لیکن عجیب بات ہے کہ اس مدرسے کا نہ کوئی طباخ (کھانا پکانے والا) تھا اور نہ ہی کوئی مطبخ۔ بس اللہ پہ توکل تھا۔ اللہ کھانا بھیج دیتے تو یہ لوگ کھا لیتے تھے، ورنہ ان کو کئی کئی دن بھوکا رہنا پڑتا تھا۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں اس قدر بھوکا رہتا تھا کہ کھڑا نہیں ہو پاتا تھا، کھڑا ہوتا تو (بے ہوش ہو کے) نیچے گر جاتا تھا۔ لوگ سمجھتے تھے کہ مجھے مرگی کا دورہ ہے، لیکن مجھے مرگی کا دورہ نہیں ہوتا تھا بلکہ بھوک کی وجہ سے ایسا ہوتا تھا۔

اللہ کی شان دیکھیں کہ اتنا بھوکا رہنا پڑتا تھا جس کی وجہ سے غش کھا کے گر جایا کرتے

تھے، مگر جو اس مدرسے کے طلبہ (سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ، سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، سیدنا اُبی ابن کعب رضی اللہ عنہ، سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ) اللہ کو بڑے محبوب تھے۔ اتنے محبوب تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیغام بھیجا:

﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ﴾

[الکہف:۲۸]

''اور اپنے آپ کو استقامت کے ساتھ ان لوگوں کے ساتھ رکھو جو صبح وشام اپنے رب کو اس لیے پکارتے ہیں کہ وہ اس کی خوشنودی کے طلبگار رہیں۔''

اگر ہم فقط سمجھنے کی خاطر اس کا ترجمہ اپنی زبان میں کریں تو یوں بنے گا: اے میرے محبوب! آپ اپنے آپ کو نتھی رکھیے ان لوگوں کے ساتھ جو اللہ کی رضا چاہتے ہیں اور اللہ کی یاد میں لگے رہتے ہیں، ان کے ساتھ آپ وقت گزارا کیجیے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان صحابہ کے درمیان آکر بیٹھے اور فرمایا: ''یہ کیسے لوگ ہیں کہ جن کے درمیان بیٹھنے کے لیے اللہ نے مجھے وحی بھیجی ہے۔'' یہ اللہ کے ایسے پیارے بندے تھے۔

ایک مرتبہ نبی علیہ السلام نے حضرت اُبی ابن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

((إِنَّ اللّٰهَ أَمَرَنِي أَنْ أَقْرَأَ عَلَيْكَ ﴿لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ﴾))

''اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں سورۃ البینہ ﴿لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ﴾ سناؤں۔''

''انہوں نے عرض کیا:''

((وَسَمَّانِي؟))

''کیا اللہ نے میرا نام لے کر فرمایا ہے؟''

((قَالَ: نَعَمْ، فَبَكَى.)) [صحیح بخاری، حدیث:۴۹۵۹]

''آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! اس پر اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ (بے اختیار) رونے لگ گئے۔''

یہ ایسے طلبہ تھے کہ جن کو قرآن سنانے کی فرمائشیں عرش سے آیا کرتی تھیں۔ اللہ کو یہ اتنے محبوب تھے!!!

نصابِ تعلیم:

ہر مدرسے کا ایک نصاب ہوتا ہے۔ اس مدرسے کا بھی ایک نصاب تھا، جس کا نام تھا ''قرآنِ مجید فرقانِ حمید'' اس نصاب کی تفصیل کرنے کے لیے اللہ نے نبی کریم ﷺ کو بھیجا تھا۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ﴾ [النحل:۴۴]

''اور (اے پیغمبر!) ہم نے تم پر بھی یہ قرآن اس لیے نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کے سامنے ان باتوں کی واضح تشریح کردو جو اُن کے لیے اُتاری گئی ہیں۔''

تعلیمی اوقات:

اب ہر مدرسے کے مختلف اوقات ہوتے ہیں، صبح سات بجے سے لے کے دوپہر دو بجے تک یا چار بجے تک۔ مگر یہ مدرسہ ایسا تھا کہ جس کے اوقات تھے: ۲۴/۷ یعنی چوبیس گھنٹے اور پورا ہفتہ۔ درمیان میں کوئی چھٹی نہیں ہوتی تھی۔ کسی وقت بھی نبی علیہ السلام ان کو تعلیم دے سکتے تھے۔ چنانچہ آدھی رات کو بھی نبی علیہ السلام نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سکھایا، تعلیم دی اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے سیکھا، دن میں بھی سیکھا اور رات میں بھی سیکھا۔ چوبیس گھنٹے یہ طلبہ علم کے لیے فارغ تھے۔

طلبہ کا امتحان اور ممتحن کا تعین:

ہر مدرسے میں یہ ہوتا ہے کہ جب پڑھانے والے پڑھاتے ہیں تو آخر میں ان کا امتحان بھی لیا جاتا ہے اور امتحان کے لیے باہر سے ممتحن بلائے جاتے ہیں۔ چنانچہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی علیہ السلام سے علم پایا تو ان کا امتحان بھی لیا گیا۔ اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ خود ممتحن تھے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ﴾[الحجرات:۳]

''یہ وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے خوب جانچ کر تقویٰ کے لیے منتخب کر لیا ہے۔''

اللہ نے جانچ پڑتال کی کہ ان کے دلوں میں تقویٰ ہے یا نہیں؟...... اللہ اکبر کبیرا...... اس سے مشکل امتحان اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ دلوں کا حال جاننے والی ذات خود اپنے بندوں کے دلوں کا امتحان لیں اور ان کی جانچ پڑتال کریں۔ لیکن چونکہ استاد نے ان شاگردوں پر ایسی محنت کی ہوئی تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو دیکھ کر خوش ہوئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَىٰ وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا﴾[الفتح:۲۶]

''اور ان کو تقویٰ کی بات پر جمائے رکھا اور وہ اسی کے زیادہ حق دار اور اس کے اہل تھے۔''

اچھے نتائج پر انعام:

اور جب کوئی طالب علم اپنے پیپر میں پاس ہوتا ہے تو استاد اس کو انعام دیا کرتا ہے۔ چنانچہ ان شاگردوں کو بھی انعام ملا۔ اللہ نے ان کے دلوں کو دیکھا اور اللہ کو اتنی خوشی ہوئی کہ نے اعلان کر دیا:

﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ط﴾ [المجادلۃ:۲۲]

''اللہ ان سے راضی ہو گیا ہے اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے ہیں۔''

سبحان اللہ! کتنا بڑا انعام ملا!!! کہتے ہیں کہ استاد کی قابلیت دیکھنی ہو تو شاگردوں کو دیکھو۔ شاگرد سے استاد کی قابلیت کا پتا چلتا ہے۔ ہم بھی کہتے ہیں کہ نبی علیہ السلام کی عظمت دیکھنی ہو تو ان کے شاگردوں (ابوبکر و عمر عثمان و علی رضی اللہ عنہم) کو دیکھو۔ ان کو دیکھنے سے تمہیں پتا چلے گا کہ ان کے استاد کتنے عظیم تھے!!!

جامعہ صفہ اور اس کی شاخیں:

اپنے طور پر سمجھنے کے لیے اس کو ہم ''جامعہ صفہ'' کا نام دے دیتے ہیں۔ یہ جامعہ صفہ نبی علیہ السلام نے شروع فرمایا اور پھر یہ سلسلہ امت کے اندر چلتا رہا۔ آج بھی اس کی شاخیں دنیا کے اندر موجود ہیں۔ پوری دنیا میں جتنے مدارس ہیں، سب کے سب جامعہ صفہ کی شاخیں ہیں اور جو طلبہ ان مدارس میں پڑھنے کے لیے اپنے گھروں سے نکلتے ہیں، ان کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے نسبت ہے۔ یہ اصحابِ صفہ کی سنت پہ زندگی گزارنے والے ہیں۔ ان کے لیے اللہ کے ہاں بڑی بشارتیں اور مبارکیں ہیں۔

حصولِ علم کے آداب:

علم حاصل کرنے کے لیے انسان کو تواضع اختیار کرنی پڑتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے کہا تھا:

﴿هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا﴾ [الکہف:۶۶]

''کیا میں آپ کے ساتھ اس غرض سے رہ سکتا ہوں کہ آپ کو بھلائی کا جو علم عطا ہوا ہے

اس کا کچھ حصہ مجھے بھی سکھا دیں؟''

تفسیر کبیر میں امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے مندرجہ بالا آیت سے (21) اکیس نکات نکالے ہیں۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

1 ...... پہلا نکتہ لفظ ''اَتَّبِعُكَ'' کہہ کر ظاہر فرمایا کہ شاگرد تابع ہوتا ہے (اتباع کرتا ہے) اور استاد متبوع ہوتا ہے۔

لہٰذا جب بھی کوئی انسان علم حاصل کرے تو اس کو چاہیے کہ وہ اپنے استاد کی مکمل اتباع کرے۔

2 ...... پھر اتباع کی اجازت طلب فرمائی کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کی اتباع کروں۔ یہ ان کی تواضع کی دلیل ہے۔

3 ...... پھر ''اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا'' کہہ کر انہوں نے اس بات کا اعتراف کیا کہ اللہ نے آپ کو بڑا علم عطا کیا ہے۔ اس میں سے کچھ علم آپ مجھے بھی عطا کر دیجیے۔

اس سے ثابت ہوا کہ استاد کی عظمت کو ماننا چاہیے۔ بعض طلبہ استاد کا مذاق اُڑاتے ہیں، ان کی عزت نہیں کرتے۔ ایسے طلبہ استاد سے علم حاصل نہیں کر پاتے۔ علم حاصل کرنے کے لیے انسان کو جھکنا پڑے گا۔

4 ...... اس کے ساتھ ساتھ ''مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا'' سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ وہ اپنے استاد سے برابری نہیں چاہتے تھے، بلکہ یہ چاہتے تھے کہ جو علم اللہ نے آپ کو عطا کیا ہے، اس میں سے آپ مجھے بھی تھوڑا پڑھا دیجیے۔

طالب علم ہر جگہ اس نیت سے نہیں جاتا کہ میں استاد سے پڑھ کر پھر اسی سے مقابلہ کروں گا۔ بلکہ یہ نیت ہونی چاہیے کہ استاد کا جو علم ہے، اس میں سے تھوڑا سا علم مجھے

بھی حاصل ہو جائے۔

5......پھر یہ وہ علم تھا جو اللہ نے عطا کیا تھا۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ رب العزت کے عطا کردہ علوم میں سے کچھ علم حاصل کرنا چاہتے تھے۔

6......حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سفر کر کے جانا، علم کی طلب کی دلیل ہے، جس کی وجہ سے انہوں نے اپنے گھر کو چھوڑا، اپنے استاد کو ڈھونڈا اور ان سے علم حاصل کرنے کی کوشش کی۔

7......اس آیت سے ایک نکتہ یہ بھی نکلتا ہے کہ طالب علم کو استاد کا احسان مند ہونا چاہیے۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت خضر علیہ السلام کے احسان مند تھے۔

8......پھر اصل مطابقت شاگرد کا استاد کے رنگ میں رنگ جانا ہے کہ استاد اس کو جو کہہ دے، اس کو بلا چوں چراں قبول کر لے۔

9......"هَلْ أَتَّبِعُكَ" سے پتا چلتا ہے کہ استاد کی اتباع ہر چیز میں اور ہر وقت لازم ہے۔

10......پھر ایک پوائنٹ یہ بھی نکلا کہ شاگرد جتنا بلند مرتبہ پالے، مگر اسے ہر حال میں استاد کی قدر کرنی چاہیے۔

11......"أَتَّبِعُكَ" کو مقدم کیا اور "أَنْ تُعَلِّمَنِ" کو مؤخر کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاگرد پہلے خادم ہوتا ہے اور بعد میں متعلم ہوتا ہے۔

12......پھر اتباع و خدمت پر کسی عوض کا مطالبہ نہیں کیا۔

13......طالب علم کا مقصد صرف علم حاصل کرنا ہوتا ہے۔

14......پھر ایک نکتہ یہ بھی نکلا کہ وہی طالب علم کامیاب ہوتا ہے جو اپنے آپ کو "كَالْمَيِّتِ بَيْنَ يَدَيِ الْغَسَّالِ" (جس طرح مردہ غسل دینے والے کے ہاتھ میں ہوتا

ہے) اپنے استاد کے سپرد کر دے۔

غسل دینے والا اسے دائیں کرے، بائیں کرے تو میت آگے سے کوئی حرکت نہیں کرتا۔ اسی طرح شاگرد اپنے استاد کے ہاتھ میں اپنے آپ کو سپرد کر دے۔

15 ...... پھر ایک نکتہ یہ بھی نکلا کہ استاد، شاگرد کے لیے شرائط رکھ سکتا ہے، مگر شاگرد استاد کے لیے شرائط نہیں رکھ سکتا۔

16 ...... طالب علم کو چاہیے کہ وہ اپنی کامیابی کے لیے اللہ سے دعا مانگتا رہے اور اس کی اُمید بھی رکھے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے کہا تھا:

﴿سَتَجِدُنِيٓ إِن شَآءَ ٱللَّهُ صَابِرًا﴾ [الکہف:٦٩]

''ان شاءاللہ آپ مجھے صابر پائیں گے۔''

17 ...... ایک نکتہ یہ بھی نکلتا ہے کہ شاگرد استاد سے ''کیوں'' کا لفظ نہیں کہہ سکتا۔

18 ...... پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت خضر علیہ السلام نے سوال کرنے پر تنبیہ فرمائی۔ اس سے پتا چلا کہ ڈانٹ ڈپٹ کرنا، استاد کا حق ہوتا ہے۔

19 ...... ایک نکتہ یہ بھی نکلا کہ طالب علم پڑھ کر بھی اپنے آپ کو کم علم ہی سمجھے۔

20 ...... اگر کوئی بُرا کام واقع ہو جائے تو شاگرد اپنی طرف نسبت کرے اور اچھا ہو تو اپنے استاد کی طرف نسبت کرے۔ جیسے حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی کے اندر سوراخ کر دیا تھا تو انہوں نے اس کی وضاحت یوں کی:

﴿فَأَرَدتُّ أَنْ أَعِيبَهَا﴾ [الکہف:٧٩]

''میں نے چاہا کہ اس میں کوئی عیب پیدا کر دوں۔''

چونکہ کسی دوسرے کی کشتی میں سوراخ کر دینا کوئی اچھا کام نہیں تھا، اس لیے اس کی

نسبت اپنی طرف کی اور جب آگے گئے تو حضرت خضر علیہ السلام نے دو بچوں کے لیے دیوار بنا دی۔ یہ چونکہ اچھا کام تھا، اس لیے اس پر فرمایا:

﴿فَأَرَادَ رَبُّكَ﴾ [الکھف:۸۲]

''اس لیے آپ کے پروردگار نے یہ چاہا۔''

کہ ان کی دیوار کو بنا دیا جائے۔ اس وقت بھی اپنی طرف نسبت کر سکتے تھے، مگر انہوں نے اچھے کام کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی اور جو کمزور تھا، اس کی نسبت اپنی طرف کی۔

21 ...... پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام جب حضرت خضر علیہ السلام سے جدا ہوئے تو انہوں نے افسوس کیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اہل علم کی جدائی پر بندے کے دل میں افسوس ہونا چاہیے۔ حدیث مبارکہ میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

((يَرْحَمُ اللّٰهُ مُوسٰى، لَوَدِدْنَا لَوْ صَبَرَ حَتّٰى يَقُصَّ عَلَيْنَا مِنْ أَمْرِهِمَا.))

[صحیح بخاری، حدیث:۱۲۲]

''اللہ تعالیٰ موسیٰ (علیہ السلام) پر رحم کرے، ہم یہ چاہتے تھے کہ کاش! موسیٰ (علیہ السلام) صبر کرتے تو اللہ تعالیٰ ان کا (پورا) قصہ ہم سے بیان فرماتا۔''

یعنی اور واقعات پیش آتے تو ان کی تفصیل بھی ہمارے سامنے آجاتی۔

استاد کا ادب واحترام:

......شاگرد کو چاہیے کہ وہ استاد کو ماں باپ کی طرح ترجیح دے۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ پہلے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے لیے دعا کرتے تھے پھر اس کے بعد اپنے والدین کے لیے دعا کرتے تھے۔

✿.....پھر اگر استاد کے پاس جائے تو دروازے پر انتظار کرے۔ استاد کو باہر نکلنے کے لیے گھنٹی نہ بجائے، دروازہ نہ کھٹکھٹائے۔

سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت اُبی ابن کعب رضی اللہ عنہ کے پاس قرآن پڑھنے کے لیے جاتے اور کبھی بھی ان کا دروازہ نہیں کھٹکھٹایا کرتے تھے۔

✿.....حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سوار ہونے لگے تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے استاد کے احترام کی وجہ سے ان کے رکاب (پاؤں رکھنے کی جگہ) کو ہاتھوں سے تھام لیا تھا۔

✿.....امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ساتویں گلی میں بھی استاد کے گھر کی طرف کبھی پاؤں کر کے نہیں سوتے تھے۔

✿.....حماد بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کی بہن کا بیان ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہمارے گھر کے بہت سے کام کیا کرتے تھے۔

✿.....امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے چالیس سال سے کوئی بھی ایسی نماز نہیں پڑھی، جس کے بعد میں نے اپنے استاد امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے لیے بخشش کی دعا نہ مانگی ہو۔

استاد سے ایسی محبت ہو کہ انسان نماز پڑھے تو پہلے استاد کے لیے دعا مانگے، پھر ماں باپ کے لیے دعا مانگے۔

مطالعہ کی اہمیت:

طالب علم کا سب سے زیادہ پسندیدہ شغل مطالعہ ہونا چاہیے۔ جیسا کہ ہمارے اکابر کا طرز رہا ہے۔ چند ایک مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

✿.....امام محمد رحمۃ اللہ علیہ گھنٹوں کتب کا مطالعہ کیا کرتے تھے۔

✿.....علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کسی کتاب کو طائرانہ نظر سے دیکھ لیتے تو فرماتے تھے

کہ کتاب کے مباحث پندرہ سال تک میرے حافظے میں محفوظ ہو جاتے تھے۔

.....امام مزنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے استاد امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب کا پچاس برس تک مطالعہ کیا اور ہر مرتبہ مجھے اس سے نئی باتیں سیکھنے کو ملیں۔

.....حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ جب مطالعہ کرتے تھے تو اتنی جاذبیت سے پڑھتے کہ کئی مرتبہ خادمہ کھانا قریب سے اُٹھا کے لے جاتی اور حضرت کو پتا بھی نہیں چلتا تھا۔

سبق کی پابندی:

اپنے سبق کی پابندی ضرور کرنی چاہیے، نیز سبق میں ناغہ نہیں ہونے دینا چاہیے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ، امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں بیٹھتے تھے اور مسائل پہ جب بحث ہوتی تو جو بات ثابت ہوتی، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ شروع شروع میں اس کو لکھ لیا کرتے تھے۔ یہ ایک اہم ذمہ داری تھی جوان کے سپرد تھی۔

بیٹے کی وفات پر بھی سبق کا ناغہ نہ کیا:

ایک مرتبہ جب یہ صبح سویرے امام صاحب کی محفل میں آئے تو تھوڑی دیر کے بعد اطلاع ملی کہ گھر میں بیوی کو درد محسوس ہو رہی ہے، بچے کی ولادت کا وقت قریب ہے، آپ نے اپنی بہن اور رشتہ داروں کی طرف اطلاع بھیج دی کہ میری بیوی اس حال میں ہے، آپ لوگ جائیں اور اس کے لیے کوئی بندوبست کریں......اس زمانے میں ہسپتال تو ہوتے نہیں تھے، البتہ ایسی عورتیں ہوتی تھیں جو آتی تھیں اور حاملہ عورت کی مدد کرتی تھیں۔ چنانچہ وہ عورت آ گئی......کچھ دیر کے بعد خبر آئی کہ آپ کے ہاں بیٹے کی ولادت ہوئی ہے۔ آپ نے جب یہ سنا تو خوشی کا اظہار کیا کہ اللہ نے مجھے بیٹا عطا فرمایا۔ تھوڑی

دیر گزری تو پھر اطلاع آگئی کہ بیٹے کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہوگئی ہے۔آپ نے پیغام بھجوایا کہ میں دعا کر رہا ہوں، اللہ تعالیٰ اس کو شفا عطا فرمائے۔تھوڑی دیر بعد پھر اطلاع آئی کہ بچے کی وفات ہوگئی ہے۔آپ نے اپنے بھائی کو پیغام بھجوایا کہ آپ جائیں اور میرے بچے کو نہلا کے اور کفنا کے یہاں مسجد میں تشریف لے آئیں، میں بھی جنازے میں شریک ہو جاؤں گا۔ چنانچہ آپ کے بچے کا جنازہ لایا گیا اور وہاں انہوں نے شرکت کی۔پھر اس کے بعد قبرستان میں دفن کرنے کے لیے جانا تھا تو انہوں نے اپنے بھائی سے کہا: آپ میرے اوپر احسان کریں کہ بچے کو دفن کرنے کی ذمہ داری آپ لے لیں۔ان کے بھائی نے ان کے بچے کو قبرستان میں جا کے دفن کیا۔اس طرح آپ نے اپنے استاد کی مجلس میں ناغہ نہیں ہونے دیا۔

آپ اندازہ لگائیے کہ آج کل کے طلبہ تو معمولی باتوں پہ بہانہ کر کے سبق کا ناغہ کر لیتے ہیں۔

تکرار کی اہمیت:

شاگرد کو چاہیے کہ جس طرح سبق کی پابندی کرے، اسی طرح اپنے سبق کا مذاکرہ (تکرار) بھی کرے۔تکرار، انسان کے علم کو پختہ کر دیتی ہے۔اُمّ درداء رضی اللہ عنہا ایک صحابیہ تھیں، عورتوں نے ایک مرتبہ ان سے بہت ساری باتیں پوچھیں۔آخر میں ایک عورت نے ان کو کہہ دیا: ہم نے آپ کو بہت تنگ کیا۔آپ تو تھک گئی ہوں گی اور اُکتا گئی ہوں گی۔اُمّ درداء رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: نہیں، بلکہ دین کی باتیں بتانے کے بعد تو میں Fresh (تر و تازہ) ہو گئی ہوں۔

جن کو دین سے رغبت ہوتی ہے، وہ مذاکرے اور تکرار سے مزید Fresh

(تروتازہ) ہوجاتے ہیں۔

کتابوں کا ادب واحترام:

کتابوں کا ادب واحترام بھی بہت ضروری ہے۔ خاص طور پر دینی کتابوں کا بہت زیادہ احترام کرنا چاہیے۔

.....ایک مرتبہ مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ، جو مفتیٔ ہند کہلاتے تھے۔ انہوں نے اپنے شاگردوں سے پوچھا: بتاؤ! انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ، انور شاہ کشمیری کیسے بنے؟ جس شاگرد کو قرآن پاک کا ذوق تھا، اس نے کہا: وہ بہت اچھے مفسر تھے...... جس کو حدیث کا ذوق تھا، اس نے کہا: وہ بڑے محدث تھے...... جس کو اشعار کے ساتھ ذوق تھا، اس نے کہا: ان کا کلام بڑا اعلیٰ تھا...... غرض ہر ایک نے اپنا اپنا جواب دیا۔ اخیر میں حضرت مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ایک مرتبہ یہی سوال انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا تھا: حضرت! آپ انور شاہ کشمیری کیسے بنے؟ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے خود جواب دیا تھا: میں کتابوں کے احترام کی وجہ سے اس مقام پر پہنچا ہوں۔ کہا گیا: کتابوں کا احترام تو ہر بندہ کرتا ہے۔ فرمانے لگے: نہیں! میں نے دینی کتابوں کو کبھی بے وضو ہاتھ نہیں لگایا اور دوسری بات یہ کہ جب کتابوں کو رکھنا ہوتا تھا تو میں اس میں بھی اونچے درجے والی کتاب کو اوپر رکھتا تھا اور دوسری کو نیچے۔ چنانچہ میں نے کبھی قرآن پاک کے اوپر حدیث کی کتاب کو نہیں رکھا، حدیث پاک کی کتاب کے اوپر فقہ کی کتاب کو نہیں رکھا اور فقہ کی کتاب کے اوپر تاریخ کی کتاب کو نہیں رکھا۔ کتابوں کے اس ادب کی وجہ سے اللہ نے مجھے علم میں ایسا رسوخ عطا فرما دیا۔

.....شمس الائمہ حلوانی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے: پوری زندگی میں مَیں نے کبھی بھی کسی کتاب کو بلا وضو نہیں چھوا۔

امام سرخسی رحمہ اللہ کو ایک مرتبہ گیس کی تکلیف تھی، بار بار وضو کرنا پڑ رہا تھا۔ اس دن انہوں نے سترہ مرتبہ وضو کیا، مگر کتاب کو بے وضو ہاتھ لگانا گوارا نہ کیا۔

بے ادبی نے ہدایت سے محروم کر دیا:

شاہ عبداللطیف رحمہ اللہ کے پاس ان کے شاگرد بیٹھے تھے۔ انہوں نے اپنے سامنے کتابیں کھول کے رکھی ہوئی تھیں۔ اچانک تیز ہوا چلی، جس کی وجہ سے کتاب کے صفحے اُلٹنے لگے۔ شاہ صاحب نے بچوں سے کہا: کتاب کے صفحے پہ ہاتھ رکھ دو۔ سب شاگردوں نے کتاب کے صفحے پر ہاتھ رکھ دیا۔ ایک ایسا شاگرد تھا جو ذرا پیچھے ہٹ کے بیٹھا تھا، اس نے کتاب کے صفحے کے پر اپنا پاؤں رکھ دیا۔ کہتے ہیں کہ جس شاگرد نے کتاب کے اوپر اپنا پاؤں رکھا تھا، بالآخر وہ مرتد ہو گیا اور دین اسلام سے ہی محروم ہو گیا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دینی کتابوں کی ناقدری کی وجہ سے انسان، ہدایت سے ہی محروم ہو جاتا ہے۔

اگر کتاب پکڑانی پڑے تو دینی کتاب پھینک کے نہیں دینی چاہیے، بلکہ دوسرے بندے کے ہاتھ میں پکڑانی چاہیے۔

بعض بچے کتابوں کے اوپر لایعنی باتیں لکھ دیتے ہیں یا تصویریں اور ڈرائنگ وغیرہ بنا دیتے ہیں، ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ نیز کتابوں کو اپنے تابع نہ کریں، بلکہ خود اپنے آپ کو کتابوں کے تابع کیا کریں۔

اکل حلال کا اہتمام:

حصول علم میں اکل حلال بہت اہمیت رکھتا ہے۔ جو لوگ دین کا علم حاصل کرنے والے

ہیں، جب تک وہ اکل حلال کا اہتمام نہیں کریں گے، ان کو علم کا نور نصیب نہیں ہوگا۔

ریسٹورنٹ کا کھانا،علم کے نور میں رکاوٹ:

ایک مرتبہ ہمارے ساتھ ایک واقعہ پیش آیا۔ بیرون ملک میں ہمارا ایک مدرسہ تھا۔ ایک مرتبہ میں اس میں پڑھنے والے بچوں کی جائزہ رپورٹ دیکھ رہا تھا کہ کس بچے نے کتنا پڑھا؟ ہمارے ایک دوست جو میڈیکل ڈاکٹر تھے، ان کے بچے کا نام میرے سامنے آیا تو اس کی جائزہ رپورٹ پر بہت تھوڑی مقدار خواندگی لکھی ہوئی تھی اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہوا تھا کہ اس بچے کو ہم پڑھاتے ہیں اور یہ بھول جاتا ہے، پھر ہمیں بار بار پیچھے سے شروع کروانا پڑتا ہے۔ مجھے اس بات پر حیرت ہوئی۔ میں نے اس کے استاد کو بلا کر پوچھا: یہ کیا مسئلہ ہے؟ استاد نے کہا: میں اس پر بہت محنت کرتا ہوں، لڑکا ذہین بھی ہے، مگر پتا نہیں کیا وجہ ہے کہ یہ ایک صفحہ آگے چلتا ہے اور پھر پیچھے سے سارا بھول جاتا ہے، مجھے پھر پیچھے سے شروع کروانا پڑتا ہے۔ پھر دو چار صفحے پڑھاتا ہوں تو دوبارہ پیچھے سے شروع کروانا پڑتا ہے۔

ہم نے اس لڑکے کو بلایا اور اس سے پوچھا کہ آپ کی پڑھائی کا کیا مسئلہ ہے؟ اس نے کہا: میں اپنے اسکول میں سب سے اعلیٰ کارکردگی دکھانے والا طالب علم ہوں۔ اسکول کی پرفارمنس پہ جن بچوں کو صدر کی طرف سے ایوارڈ ملتا ہے، میں ان میں شامل ہوں، لیکن مجھے سمجھ نہیں آتی کہ میں قرآن پاک پڑھنے میں اتنا نالائق کیوں ہوں؟ محنت تو میں بہت کرتا ہوں، مگر یہ میرے ذہن میں ٹکتا نہیں ہے، بھول جاتا ہے۔ کلاس میں بھی استاد مجھے پڑھاتے ہیں اور پھر کلاس کے بعد بھی میں استاد سے پڑھتا ہوں، وقت بھی زیادہ لگاتا ہوں، لیکن نجانے کیوں میرا ذہن دین کے علم میں نہیں چلتا؟ حالانکہ سائنس میں میں اتنا سمارٹ ہوں کہ پریزیڈنٹ کا ایوارڈ لیتا ہوں۔ ہمیں اور زیادہ فکر ہوگئی کہ یہ بچہ اسکول میں اتنے ایوارڈ

لیتا ہے اور مدرسے میں اس کو ایک صفحہ بھی یاد نہیں ہوتا۔ ہم نے اس بچے سے بات چیت کی۔ اللہ سے رجوع بھی کیا۔ دعائیں بھی مانگیں۔ چنانچہ اللہ نے دل میں یہ بات ڈالی کہ اس بچے سے پوچھیں: یہ کھاتا کیا ہے؟ ہم نے اس بچے سے پیار سے پوچھا: بتاؤ! آپ کو کیا چیز پسند ہے؟ اس نے کہا: مجھے مکڈونلڈ کے نگٹس بہت اچھے لگتے ہیں اور فلاں ریسٹورنٹ کی فلاں چیز اچھی لگتی ہیں اور شکر ہے کہ آج جمعے کا دن ہے، ہم شام کو باہر کا کھانا کھائیں گے۔ امی رات کا کھانا گھر میں نہیں بناتیں، وہ صرف دوپہر کا کھانا بناتی ہیں، رات کو ابو، امی اور ہم سب بچوں کو باہر لے کے جاتے ہیں اور رات کا کھانا تو ہم باہر ہی کہیں کھاتے ہیں۔

اب ہمیں اندازہ ہو گیا کہ مسئلہ کیا ہے؟ چنانچہ ہم نے ڈاکٹر صاحب اور ان کی بیوی کو کال کیا کہ آپ ٹیچر پیرنٹ میٹنگ (Teacher parent meeting) میں آئیں۔ وہ دونوں آ گئے تو ہم نے ان سے کہا: بات یہ ہے کہ آپ اپنے بچے کو گھر لے جائیں، ہم اس کو نہیں پڑھا سکتے۔ یہ سن کر ڈاکٹر صاحب کی آنکھوں سے تو آنسو آ گئے اور وہ کہنے لگے: حضرت! میرے بیٹے کو آپ اس مدرسے سے خارج کر رہے ہیں؟ میں نے کہا: اصل وجہ یہ ہے کہ آپ ایک ایسا کام کر رہے ہیں، جس کی وجہ سے علم کا نور اس بچے کے دل میں ٹک ہی نہیں رہا۔ آپ اگر میرے ساتھ وعدہ کریں کہ اس بچے کو کبھی بھی باہر کے ریسٹورنٹ کا کھانا نہیں کھلائیں گے تو پھر ہم اس کو پڑھائیں گے اور اس پر محنت کریں گے۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا: ٹھیک ہے، اب میں ایسا نہیں کروں گا۔ اور ان کی اہلیہ نے بھی وعدہ کیا کہ اب میں اپنے بچے کو گھر کا کھانا خود پکا کے کھلاؤں گی۔ میں نے کہا: آپ نمازی عورت ہیں، پردے دار ہیں، لہٰذا آپ جو کھانا پکا کر اسے کھلائیں گی اس میں برکت ہوگی۔

چنانچہ ماں باپ نے بچے کو گھر کا کھانا کھلانا شروع کر دیا۔ اللہ کی شان دیکھیں کہ

اگلے ایک سال میں اس بچے نے پورا قرآنِ مجید مکمل کر لیا۔ حالانکہ پہلے ایک سال میں وہ قاعدہ بھی ختم نہیں کر سکا تھا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حصولِ علم میں اکلِ حلال کا بہت عمل دخل ہوتا ہے۔ جو طلبہ اکلِ حلال کا اہتمام کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے سینوں میں علم کا نور ڈال دیتے ہیں۔

اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے:

ذہن میں ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے: کیا علم حاصل کرتے وقت یہ نیت ہونی چاہیے کہ میں عالم بنوں گا اور لوگوں پر اپنا علم ظاہر کروں گا کہ میں کتنا بڑا عالم ہوں......؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایسی نیت نہیں ہونی چاہیے۔

......علم حاصل کرنے کے لیے ہمیشہ یہ نیت رکھنی چاہیے کہ علم حاصل کرنا عبادت ہے اور میں عبادت کر رہا ہوں۔

......پھر یہ بھی نیت ہو کہ میں علم حاصل کروں گا، تاکہ نبی علیہ السلام کی تعلیمات کا خود بھی وارث بنوں اور پھر اپنے قریبی رشتہ داروں میں سے جو اس کو حاصل کرنا چاہے گا، میں یہ تعلیمات اس تک بھی پہنچاؤں گا۔ کیونکہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے:

((نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَأً سَمِعَ مَقَالَتِي فَوَعَاهَا وَحَفِظَهَا وَبَلَّغَهَا.)) [ترمذی، حدیث:۲۶۵۸]

''اللہ تعالیٰ ہر اس بندے کو سرسبز و شاداب رکھے جس نے میری کوئی بات سنی اور یاد رکھی، پھر اسے لوگوں تک پہنچایا۔''

اس نیت کے کرنے سے اس کو ثواب بھی ہوگا اور علم بھی حاصل ہوگا۔

......پھر انسان اس لیے بھی علم حاصل کرے کہ اللہ کو علم پسند ہے۔ میں علم حاصل کروں گا تو اللہ کی نظر میں میری قدر و منزلت بڑھ جائے گی۔

.....پھر علم اس لیے حاصل کرے کہ یہ (علم) معرفت کا دوسرا نام ہے۔ میں علم حاصل کروں گا تو مجھے اللہ کی معرفت نصیب ہو جائے گی۔

.....علم حاصل کرنا نوافل پڑھنے سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔ حدیث مبارکہ میں ہے:

((مَنْ تَعَلَّمَ بَابًا مِنَ الْعِلْمِ عُمِلَ بِهِ أَوْ لَمْ يُعْمَلْ بِهِ كَانَ أَفْضَلَ مِنْ صَلَاةِ أَلْفِ رَكْعَةٍ.)) [جامع الاحادیث، حدیث: ۲۱۸۰۵]

''جس شخص نے علم کا ایک باب سیکھا خواہ اس پر عمل کیا جاتا ہو یا نہ کیا جاتا ہو۔ یہ اس کے لیے ایک ہزار رکعت سے افضل ہے۔''

..... یہ نیت بھی کرے کہ میں علم حاصل کروں گا۔ اللہ کی مخلوق میرے لیے استغفار کرے گی تو اللہ تعالیٰ میرے گناہوں کو معاف کر دیں گے۔ جیسا کہ حدیث پاک میں ہے:

((إِنَّ الْعَالِمَ لَيَسْتَغْفِرُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ حَتَّى الْحِيتَانُ فِي الْمَاءِ.)) [جامع ترمذی، حدیث: ۲۶۸۲]

''عالم کے لیے آسمان و زمین میں موجود ہر چیز مغفرت طلب کرتی ہے۔ یہاں تک کہ مچھلیاں پانی میں اس کے لیے استغفار کرتی ہیں۔''

علم، عمل کے بغیر وبالِ جان ہے:

انسان کو چاہیے کہ علم حاصل کرے تو اس پر عمل بھی کرے۔ ورنہ تو وہ علم اس کے لیے وبالِ جان بن جائے گا۔ چنانچہ حدیث مبارکہ میں ہے:

((كُلُّ عِلْمٍ وَبَالٌ عَلَى صَاحِبِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا مَنْ عَمِلَ بِهِ.))

[المعجم الکبیر للطبرانی، حدیث: ۱۳۱]

''ہر علم قیامت کے روز صاحبِ عالم پر وبال ہوگا۔ ہاں! جس نے اس پر عمل کیا۔''

اس لیے علم، ہمیشہ عمل کرنے کی نیت سے حاصل کرے۔ علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے: قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب، اس عالم کو ہوگا جس نے اپنے علم پر عمل نہ کیا۔ ایک حدیث پاک میں ہے:

((مَثَلُ الْعَالِمِ الَّذِي يُعَلِّمُ النَّاسَ الْخَيْرَ وَيَنْسَى نَفْسَهُ كَمَثَلِ السِّرَاجِ يُضِيءُ لِلنَّاسِ وَيُحْرِقُ نَفْسَهُ.)) [المعجم الكبير للطبرانی، حدیث:۱۶۸۱]

''وہ عالم جو لوگوں کو خیر کی تعلیم دیتا ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتا ہو۔ اس کی مثال چراغ کی سی ہے جو لوگوں کو روشنی دیتا ہے اور خود جلتا رہتا ہے۔''

زمانہ طالب علمی میں گناہوں سے نہ بچنے کا وبال:

سلف صالحین کا ایک عجیب سا قول ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ زمانۂ طالب علمی میں جو شخص گناہوں سے نہیں بچتا، اللہ تعالیٰ تین چیزوں میں سے ایک میں اس کو ضرور مبتلا کر دیتے ہیں:

1......پہلی بات یہ کہ وہ جوانی میں مرجاتا ہے اور اپنے علم سے فائدہ نہیں اُٹھا پاتا۔

2......دوسری بات یہ کہ باوجود علمی کمال کے ایسی جگہوں پہ مارا مارا پھرتا ہے، جہاں اس کا علم ضائع ہوجاتا ہے اور وہ علم کی اشاعت نہیں کر پاتا۔ مثلاً عالم ہے اور فیکٹری میں Job کر رہا ہے، عالم ہے اور کسی دفتر میں جاب کر رہا ہے۔

3......تیسری بات یہ کہ کسی حاکم یا بادشاہ کی خدمت کی ذلت اس کو برداشت کرنی پڑتی ہے۔

علم، قربانی اور مجاہدے سے حاصل ہوتا ہے:

علم حاصل کرنے کے لیے انسان کو قربانی دینی پڑتی ہے، مجاہدہ کرنا پڑتا ہے۔ لہٰذا

جتنی بھی قربانی دینی پڑے، انسان کو چاہیے کہ قربانی دے کر علم حاصل کرے اور اس میں کمی کوتاہی نہ کرے۔ ہمارے سلف صالحین نے علم حاصل کرنے کے لیے بہت قربانیاں دیں۔ اگر آپ تاریخ پڑھیں تو دنیا میں جتنا دین اسلام میں علم حاصل کرنے کے لیے طلبہ نے قربانیاں دی ہیں، کسی اور قوم کے طلبہ نے اتنی قربانیاں نہیں دیں۔ یہ اعزاز صرف اللہ نے اسلام کو عطا کیا ہے۔

جیل جانا پسند کیا، مگر سبق کا ناغہ نہ ہونے دیا:

ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ سے حاکم وقت ناراض ہوگیا اور اس نے ان کو قید کروا دیا۔ چند دن گزرے تو حاکم وقت کے دربار میں ایک لڑکا آیا، جو زار وقطار رو رہا تھا۔ اس کے چہرے پہ نورانیت تھی۔ اس کو اس طرح زار وقطار روتا دیکھ کر سب لوگ اس کے ساتھ ہمدردی کرنے لگے۔ چنانچہ اس سے حاکم وقت نے پوچھا: میرے دربار میں کیوں آئے ہو؟ اس نے کہا: میں ایک فریاد لے کر آیا ہوں، آپ اس کو پورا کر دیں۔ حاکم وقت نے کہا: تم رونا بند کرو، میں تمہاری فریاد پوری کر دوں گا اور تمہارا کام کر دوں گا۔ حاکم نے پوچھا: بتاؤ! تم کیا چاہتے ہو؟ وہ لڑکا کہنے لگا: مہربانی کر کے آپ مجھے جیل بھیج دیں۔ حاکم وقت یہ سن کر بڑا حیران ہوا کہ یہ لڑکا اس وجہ سے رو رہا تھا۔ اس نے پوچھا: کیا تم اسی بات پہ رو رہے تھے؟ اس نے جواب دیا: جی ہاں! آپ نے میرے استاد کو ایک ہفتے سے جیل میں رکھا ہوا ہے اور میرا سبق قضا ہوتا جا رہا ہے، اب آپ مجھے بھی جیل بھیج دیں۔ میں جیل کی مشقتیں تو برداشت کر لوں گا، مگر اپنے استاد سے سبق تو پڑھتا رہوں گا۔

اندازہ لگائیے کہ علم کی طلب والے ایسے لوگ بھی دنیا میں گزرے ہیں کہ وہ جیل جانے کے لیے تیار تھے کہ ہم وہاں استاد سے سبق پڑھ لیا کریں گے۔

طالب علم ایسے بھی تھے!!

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ ایک بستی میں درسِ قرآن دیتے تھے۔ دوسری بستی کے لوگ ان کے پاس آئے اور کہنے لگے: حضرت! آپ ہماری بستی میں بھی درسِ قرآن دے دیں۔ انہوں نے کہا: آپ کو پتا ہے کہ فاصلہ زیادہ ہے۔ اگر میں ایک بستی سے دوسری بستی کی طرف جاؤں اور پھر واپس آؤں تو وقت ختم ہو جائے گا۔ دوسری بستی والوں نے کہا: ہم سواری کا انتظام کر دیتے ہیں، آپ درس دینے کے لیے سواری پہ بیٹھ کے دوسری بستی آجایا کریں اور درس دیتے ہی سواری پہ واپس آجایا کریں۔ لہٰذا انہوں نے دوسری بستی میں بھی درس دینا شروع کر دیا۔ اب دو بستیوں میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا درس ہوتا تھا۔ ایک طالب علم آیا اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے کہنے لگا: حضرت! میں نے آپ سے ایک کتاب پڑھنی ہے۔ حضرت نے کہا: میرے پاس تو وقت ہی نہیں ہے۔ میں یہاں درس دیتا ہوں اور اس کے بعد سواری پہ سوار ہو کر اگلی بستی میں جا کے درس دیتا ہوں اور پھر واپس آتا ہوں۔ وہ کہنے لگا: حضرت! جب آپ سواری پہ سوار ہو کر دوسری بستی کی طرف جا رہے ہوں گے تو آپ سواری پہ بیٹھے بیٹھے سبق پڑھا دیا کریں، میں سواری کے ساتھ بھاگتا بھی رہوں گا اور آپ سے سبق بھی پڑھتا رہوں گا۔

اب آپ بتائیے! کوئی اور قوم ایسی ہے جو علم حاصل کرنے کے لیے طلبہ کی قربانیوں کے ایسے واقعات پیش کر سکے؟ اللہ نے اسلام کو ہی یہ شان دی ہے، یہ دین اسلام کا حسن و جمال ہے۔ شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ہے کہ اس کا علم حاصل کرنے کے لیے شاگردوں نے اتنی مشقتیں اُٹھانے کے لیے اپنے آپ کو تیار کر دیا۔

علم کی خاطر بھوک، پیاس بھی برداشت:

بہت سارے ہمارے اکابر ایسے بھی تھے جن کو کھانے کے لیے نہیں ملتا تھا اور وہ بھوکے

پیاسے رہتے تھے، مگر اپنے علم میں ناغہ نہیں ہونے دیتے تھے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ہزار سے زیادہ اساتذہ سے علم حاصل کیا۔ ایک مرتبہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے نماز پڑھائی، مگر بھول گئے تو عبدالرزاق نے پوچھا: حضرت! کیا ہوا؟ فرمایا: میں نے تین دن سے کچھ نہیں کھایا، جس کی وجہ سے مجھے نماز میں چکر آ گیا تھا اور میں نماز میں بھول گیا۔

طالب علم، نبی علیہ السلام کے مہمان:

تین دوست تھے: ابن المقری، ابوالشیخ اور طبرانی۔ یہ تینوں مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں علم حاصل کیا کرتے تھے۔ اللہ کی شان! ایک ایسا وقت آیا کہ تینوں کے پاس کھانا پینا ختم ہو گیا اور فاقہ شروع ہو گیا...... اس وقت کے طلبہ اپنے کھانے کا انتظام خود کیا کرتے تھے۔ آج کل تو مدرسے کی انتظامیہ کھانے پینے کا انتظام کرتی ہے اور طلبہ نے صرف وہاں جا کر پڑھنا ہوتا ہے...... ایک دن فاقہ، دوسرے دن فاقہ، جب بھوک لگتی تھی تو ہم پانی پی لیا کرتے تھے، مگر پانی سے تو پیٹ نہیں بھرتا۔ جب تیسرا دن آیا تو ہمارا حال یہ تھا کہ نقاہت کی وجہ سے کھڑے بھی نہیں ہو سکتے تھے، کھڑے ہونے لگتے تھے تو ایسے چکر آتا تھا کہ ہم گر جائیں گے۔ میرے دونوں ساتھی کہنے لگے: ہم سے اتنا فاقہ برداشت نہیں ہوتا ہم تو واپس اپنے گھر جا رہے ہیں۔ چنانچہ وہ دونوں گھر چلے گئے اور میں نے دل میں سوچا کہ میں مزید فاقہ برداشت کرلوں گا اور گھر نہیں جاؤں گا۔ کہتے ہیں: میں مسجد نبوی میں لیٹا ہوا تھا کہ لیٹے لیٹے میرے دل میں خیال آیا: طبرانی! یہ مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ہے اور یہاں کے میزبان اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور تم تو مہمان ہو، تم اپنے میزبان کو جا کے بتاؤ کہ میں بہت بھوکا ہوں۔ یہ خیال آتے ہی میں سلام پڑھنے کے لیے مواجہہ شریف پر چلا گیا۔ نبی علیہ السلام کی خدمت میں سلام عرض کرنے کے بعد میں نے کہا:

''يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اَلْجُوْعُ.'' ''یارسول اللہ! بہت بھوک لگی ہوئی ہے۔''

یہ کہہ کر میں مسجد سے باہر نکلا تو میں نے دیکھا کہ ایک آدمی نے ہاتھ میں سالن کا برتن اور روٹیوں کی گٹھری پکڑی ہوئی ہے اور وہ میرا نام لے کر پکار رہا ہے: طبرانی کہاں ہے؟ طبرانی کہاں ہے؟ میں نے اس سے پوچھا: آپ میرا نام کیوں لے رہے ہیں؟ اس نے کہا: میں مسجد کا پڑوسی ہوں، میں دوپہر کو قیلولہ کرنے کے لیے سویا ہوا تھا تو خواب میں مجھے نبی علیہ السلام کی زیارت نصیب ہوئی۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا: تم مسجد کے پڑوسی ہو اور مسجد میں میرا ایک مہمان بھوکا ہے، تم جاؤ اور اس کو کھانا کھلاؤ۔ جیسے ہی میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ میری بیوی نے سالن تیار کر لیا ہے اور وہ کھانے کے لیے بالکل تیار بیٹھی ہے۔ میں نے اس سے کہا: گھر کے لیے دوبارہ پھر کھانا بنا لو اور یہ کھانا میں نبی علیہ السلام کے مہمان کو دینے کے لیے جا رہا ہوں۔ میں گھر سے نکلا اور میں نے آپ کا نام پکارنا شروع کر دیا، تا کہ نبی علیہ السلام کے اشارے پر میں آپ کو آپ کا کھانا پہنچا دوں۔

طلبہ کی دعوت، درحقیقت نبی علیہ السلام کی دعوت:

مشہور واقعہ ہے کہ ایک بزرگ غریب لوگوں پہ بڑا خرچ کرتے تھے۔ ہر جمعہ کے دن وہ غریبوں کے لیے دسترخوان لگواتے اور ان کو کھانا کھلاتے۔ ایک دن ان کو خواب میں نبی علیہ السلام کی زیارت نصیب ہوئی تو نبی علیہ السلام نے ان سے فرمایا: تم اللہ تعالیٰ کی دعوت تو روز کرتے ہو، مگر میری دعوت تو کبھی بھی نہیں کی۔ اس کے بعد خواب ختم ہو گیا۔ وہ بزرگ بڑے پریشان ہوئے کہ اس کا معنی کیا ہے؟ چنانچہ ایک اور بزرگ سے انہوں نے اس کی تعبیر پوچھی تو انہوں نے کہا: آپ دراصل غریبوں پر ترس کھاتے ہیں کہ وہ اللہ کے بندے ہیں، ان کی دعوت کرتے ہیں تو یہ گویا اللہ کی دعوت ہو گئی۔ اور نبی علیہ السلام نے جو فرمایا کہ تم میری دعوت نہیں

کرتے، اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ علماء اور طلبہ کی دعوت نہیں کرتے۔ چنانچہ انہوں نے پھر بالخصوص علماء وطلبہ کی دعوت کرنی شروع کی اور یہ گویا نبی علیہ السلام کی دعوت بن گئی۔

نبی علیہ السلام کو علم حاصل کرنے والے طلبہ کے ساتھ اتنی محبت ہوتی ہے کہ ان طلبہ کی دعوت کرنا، گویا نبی علیہ السلام کی دعوت کرنے کے مترادف ہوتا ہے۔

روٹی کی خوشبو سونگھ کر دن گزار لیتے:

کتابوں میں لکھا ہے کہ امام ابو علی بلخی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میرے اوپر کئی دن کا فاقہ ہوتا تھا اور میں ایک جگہ جہاں تنور لگا ہوا تھا، اس کے پاس بیٹھ کر مطالعہ کرتا رہتا تھا۔ خود میں کھا تو نہیں سکتا تھا، مگر روٹیوں کی خوشبو سے میں اپنے نفس کو صبر کی تلقین کرتا رہتا تھا اور اس طرح میرا دن گزر جاتا تھا۔

آپ اندازہ لگایئے کہ کتنا ان کو بھوک کا مجاہدہ برداشت کرنا پڑتا ہوگا کہ کھانے کو کچھ بھی نہیں ملتا تھا، صرف روٹی کے پکنے کی مہک سونگھ کر وہ اپنا دن گزار لیا کرتے تھے۔

پورا سال پھلوں کے چھلکے کھا کر علم حاصل کیا:

حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کے حالاتِ زندگی میں لکھا ہے کہ جب وہ دارالعلوم میں آئے تو ان سے کہا گیا کہ آپ کو داخلہ نہیں مل سکتا، اس لیے کہ دارالعلوم میں جتنے طلبہ ہیں ان کی تعداد کے حساب سے بستی کے لوگوں نے ان کی اپنے اپنے گھر کھانا پکانے کی ذمہ داری لے لی ہے۔ اب ایک بھی گھر دیوبند میں ایسا نہیں ہے جو ایک اور بندے کا کھانا اپنے ذمے لے لے۔ انہوں نے کہا: کھانے کی ذمہ داری میری اپنی ہوگی، آپ مجھے صرف داخلہ دے دیجیے۔ چنانچہ ان کو مشروط داخلہ دے دیا گیا۔ کہتے ہیں کہ میں

سارادن طلبہ کے ساتھ کلاس میں پڑھتااور پھر شام کواس کا تکرار بھی کرتا۔ جب رات کو سب طلبہ کھانے کے لیے چلے جاتے تو میں استاد سے اجازت لے کر دارالعلوم سے باہر نکلتا۔ اس وقت بستی میں پھلوں کی دو دکانیں تھیں اور ان دکانوں کے سامنے پھلوں کے چھلکے پڑے ہوتے تھے، میں ان چھلکوں کو اُٹھا کے لاتا تھا اور ان کو دھو کے پاک صاف کر کے کھالیتا تھا۔ یہ میرا چوبیس گھنٹے کا کھانا ہوتا تھا۔ میں نے پورا سال پھلوں کے چھلکے کھا کے تو گزارا کرلیا، لیکن اپنے سبق کا ناغہ نہیں ہونے دیا۔

طلبہ نے ایسے مجاہدے بھی کیے ہیں اور اس بھی زیادہ علم حاصل کرنے کے لیے انہوں نے اپنے آپ کو مشقتوں میں ڈالا ہے۔ انسان ایسے واقعات پڑھ کر حیران ہو جاتا ہے۔

بھکاری بن کر بھی علم حاصل کیا:

علامہ ذہبی ؒ نے ''سیر اعلام النبلاء'' میں ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ اندلس میں ''بقی ابن مخلد'' نامی ایک نوجوان تھا۔ اس نے سنا کہ بغداد میں امام احمد بن حنبل ایک بڑے عالم ہیں، محدث بھی ہیں اور فقیہ بھی ہیں، اللہ نے ان کو بڑا علمی مقام عطا کیا ہے۔ اس کے دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ میں بھی جا کے ان سے علم حاصل کروں۔ چنانچہ وہ تیاری کر کے اپنے گھر سے نکل پڑا۔

اس وقت ان کی عمر بیس سال تھی۔ بیس سال کی عمر لا اُبالی سی عمر ہوتی ہے۔ آج کل کے لڑکے بیس سال کی عمر میں نفسانی خواہشات اور شہوات کے پیچھے ایسے اندھے ہو چکے ہوتے ہیں کہ ان کو کچھ اور سوجھتا ہی نہیں ہے اور یہ بچہ بیس سال کی عمر میں اپنے گھر سے تیاری کر کے سفر پہ نکل پڑا۔

وہ کہتے ہیں: سمندری سفر تھا، لہٰذا میں نے ایک بڑی کشتی میں سفر شروع کیا..... مگر اللہ کی شان کہ سمندری طوفان آ گیا اور اس طوفان کی وجہ سے ہماری کشتی گھِر گئی اور پھر لنگر انداز ہوگئی، حتیٰ کہ ہمیں ایک مہینہ تک لنگر انداز رہنا پڑا۔ اس ایک مہینے میں کھانے پینے کا سامان ختم ہوگیا اور میں بیمار بھی ہوگیا..... سمندری سفر میں انسان کو اُبکائی (اُلٹی) بھی آتی ہے..... میرے کپڑے بھی خراب ہوگئے، میری حالت بہت غیر ہوگئی اور میرا وزن بہت زیادہ کم ہوگیا۔ اتنی زیادہ میں نے مشقت اُٹھائی تھی کہ دیکھنے والے کو لگتا تھا کہ یہ بچہ تو مرنے والا ہوگیا ہے۔ بالآخر اللہ نے مہربانی فرمائی، کشتی کنارے لگ گئی اور میں نے اپنا سامان کنارے پہ اُتارا۔

اب مجھے کئی سو کلومیٹر پیدل سفر کرنا تھا۔ چنانچہ میں نے ساری کتابوں کا وزن اپنے سر پہ رکھا اور پیدل چلنا شروع کر دیا۔ تھوڑا چلتا تھا، ہانپتا کانپتا تھا، پسینہ آجاتا تھا تو میں رک جاتا تھا۔ میں نے سینکڑوں میلوں کا سفر اپنی کتابوں کا وزن پیٹھ پہ اُٹھا کے اسی طرح طے کیا، اس سفر میں مجھے کئی دن لگ گئے، حتیٰ کہ میں ایسی جگہ پہنچا، جہاں سے مجھے بغداد کا شہر نظر آنے لگ گیا۔

میں تھکا ہوا تھا، ایک درخت کی چھاؤں میں مَیں نے اپنا سامان رکھ دیا اور وہیں لیٹ گیا۔ جب میں سو کے اُٹھا تو طبیعت فریش تھی۔ میں نے پھر اپنی کتابیں اُٹھائیں اور سوچا کہ اب میں بغداد شہر میں جاتا ہوں۔ راستے میں مجھے ایک بندہ ملا جو بغداد شہر سے واپس آرہا تھا۔ اس نے مجھے سلام کیا، میں نے سلام کا جواب دیا اور پھر اس سے پوچھا: بتاؤ! امام احمد بن حنبل کا کیا حال ہے؟ اس نے کہا: آپ امام احمد بن حنبل کے بارے میں کیوں پوچھ رہے ہو؟ میں نے کہا: اس لیے کہ میں اتنا لمبا سفر کر کے اور اتنی مشقتیں اُٹھا کے ان سے علم حاصل

کرنے کے لیے آرہا ہوں۔ اس نے کہا: اے نوجوان! اللہ تیرے اوپر رحم کرے۔ تو نے اپنے آپ کو اتنی تکلیف میں ڈالا، لیکن تو امام احمد بن حنبل سے علم حاصل نہیں کر سکے گا۔ میں نے پوچھا: کیوں؟ اس نے کہا: اس لیے کہ حاکم وقت ان سے ناراض ہو گیا ہے اور اس نے انہیں گھر میں نظر بند کر دیا ہے۔ لہٰذا امام صاحب نہ گھر سے نکل سکتے ہیں، نہ کسی بندے سے مل سکتے ہیں اور نہ ہی کوئی بندہ ان سے مل سکتا ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ یہ سن کر میرے دل پہ چوٹ پڑی کہ میں تو اتنا لمبا سفر کر کے آیا ہوں، اب اگر میں امام احمد بن حنبل سے علم حاصل نہیں کر سکوں گا تو پھر کیا کروں گا؟ مگر اللہ توکل کر کے میں بغداد شہر پہنچا اور وہاں پر ایک سرائے (ہوٹل) میں ایک کمرا کرائے پر لیا، جس کا بہت تھوڑا کرایہ تھا اور اپنا سامان اس کے اندر رکھا۔

اب میں انتظار میں تھا کہ کسی طرح رات بسر ہو جائے اور اگلے دن میں امام صاحب سے علم حاصل کرنے کی کوئی ترتیب نکالوں۔ کہتے ہیں: میں رات کو سو گیا۔ اگلے دن میرے ذہن میں ایک خیال آیا۔ میں نے ہوٹل کی مینجمنٹ سے پوچھا: اس شہر میں کہیں کوئی علم کا یا حدیث کا درس ہوتا ہے؟ میرا خیال تھا کہ کوئی محدث تو ہوگا جو حدیث کا علم پڑھانے والا ہوگا، میں ان سے جاکے پڑھ لوں گا۔ لوگوں نے بتایا کہ جامع مسجد کے اندر عصر کے بعد حدیث کا درس ہوتا ہے...... اس زمانے کے ایک بڑے محدث تھے، جو وہاں حدیث کا درس دیا کرتے تھے...... وہ کہتے ہیں: عصر کے بعد میں اس مسجد میں چلا گیا، لاکھوں کا مجمع تھا۔ محدث کی جگہ کے قریب جا کر میں بیٹھ گیا اور میں نے ان سے حدیث پڑھی۔ انہوں نے حدیث پڑھائی، تھوڑی دیر حدیث کے اوپر بات کی اور اس کے بعد انہوں نے راویوں کے بارے میں بتانا شروع کر دیا۔

جب انہوں نے راویوں کے بارے میں بتانا شروع کیا تو لوگوں نے سوالات پوچھنے شروع کر دیے۔ یہ محدث یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ جرح اور تعدیل کے فن میں بڑے ماہر تھے، راویوں کے حالات پہ ان کی بڑی گہری نظر ہوتی تھی، لوگ ان سے راویوں کے بارے میں تصدیق کیا کرتے تھے۔ جب کچھ لوگوں نے سوال کیے تو میں بھی کھڑا ہو گیا اور میں نے ان سے پوچھا: آپ ہشام بن عمار کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ انہوں نے پوچھا: وہ چادر والے؟ میں نے کہا: جی ہاں! کہنے لگے: ان کی چادر کے نیچے اگر تکبر بھی آ جائے تو ان کی ثقاہت میں کوئی فرق نہیں آئے گا، وہ ثقہ آدمی ہیں۔ جس حدیث کی وہ روایت کریں، وہ حدیث ٹھیک ہوگی۔ اس کے بعد میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ان سے سوال کرنا چاہتا تھا، مگر جب میں دوسرا سوال کرنے لگا تو قریب کے ایک بندے نے میرے کپڑوں کو پکڑ کے کھینچا اور کہا: اے نوجوان! تو مسافر نظر آتا ہے، یہاں کا بندہ نہیں لگتا، اس مجلس کے آداب یہ ہیں کہ ہر بندہ روزانہ ایک سوال پوچھ سکتا ہے، اگر ایک ہی بندہ سارے سوال پوچھے گا تو باقیوں کو کیسے موقع ملے گا؟ وہ کہتے ہیں: اس وقت مجھے حیرت ہوئی کہ اصل سوال تو وہ تھا، جو میں اب پوچھنا چاہتا تھا۔ پہلا سوال تو ایسے ہی میں نے پوچھ لیا۔ لہٰذا میں نے رونے والی آواز بنا کر کہا: میں تو مسافر ہوں اور مجھے اس اصول کا پتا نہیں تھا، اگر پتا ہوتا تو میں دوسرا سوال پہلے کر لیتا۔ آپ برائے مہربانی مجھے موقع دے دیں کہ میں دوسرا سوال پوچھ لوں۔ میری روتی ہوئی آواز سن کر انہیں میرے اوپر ترس آ گیا اور مجمع نے کہا: اچھا! آپ ایک سوال اور پوچھ لیں۔ جب مجھے اجازت مل گئی تو میں نے یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا: آپ امام احمد بن حنبل کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ جیسے ہی میں نے امام احمد بن حنبل کا نام لیا تو مجمع کے اوپر سناٹا طاری ہو گیا۔ چونکہ شہر کے لوگ حالات جانتے تھے کہ یہ

بندہ حاکم وقت کی نظر میں پسندیدہ نہیں ہے، ان کو نظر بند کیا گیا ہے اور جو اس کا نام لے گا، وہ بھی حاکم وقت کے عتاب میں آئے گا۔ مجھے تو حالات کا پتا نہیں تھا، لہٰذا میں نے امام احمد بن حنبل کا نام لے لیا۔ کہتے ہیں: جب میں نے امام احمد بن حنبل کا نام لے لیا تو یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ تھوڑی دیر کے لیے سر جھکا کے بیٹھ گئے، خاموش تھے، کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد سر اُٹھایا اور ایک ٹھنڈی سانس لینے کے بعد کہنے لگے: آپ نے امام احمد بن حنبل کے بارے میں پوچھا ہے؟ امام احمد بن حنبل تو شیخ الاسلام ہیں، وہ تو بڑے مرتبے والے ہیں، وہ جس حدیث کی روایت کریں، وہ حدیث بڑی مضبوط ہوتی ہے۔ انہوں نے امام احمد بن حنبل کی بڑی تعریف کی۔ میں نے جب امام احمد بن حنبل کی تعریف سنی تو میں نے دل میں پکا ارادہ کر لیا کہ اب جو کچھ بھی ہو جائے میں ان سے ضرور حدیث کا علم حاصل کروں گا، لیکن کیسے حاصل کروں؟ اس کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی۔

جب درس ختم ہو گیا اور سب لوگ اپنے گھروں کو جانے لگے تو میں نے قریب کے ایک نوجوان سے کہا: مہربانی کر کے آپ مجھے امام احمد بن حنبل کا گھر دِکھا دیں۔ اس نے کہا: اگر میں آپ کو ان کا گھر دکھا دوں اور پولیس کو پتا چل گیا تو تجھے بھی سزا ملے گی اور مجھے بھی سزا ملے گی۔ میں اپنے آپ کو مصیبت میں کیوں ڈالوں؟ وہ کہتے ہیں: میں نے ایک اور نوجوان سے کہا: ایسا کرو کہ مجھے اپنے ساتھ لے کر چلو اور جب امام احمد بن حنبل کے دروازے کے سامنے سے گزرنے لگو تو مجھے آنکھ کے اشارے سے بتا دینا کہ یہ ان کے گھر کا دروازہ ہے۔ پھر آگے میرا کام ہے۔ میں جانوں کہ میں نے کیسے علم حاصل کرنا ہے؟ وہ اس پر راضی ہو گیا اور مجھے لے کر چل پڑا۔ میں نے راستے کو اچھی طرح یاد کر لیا۔ امام صاحب کے گھر کے دروازے سے گزرتے ہوئے اس نے مجھے کہا: یہ

بائیں طرف والا امام احمد بن حنبل کے گھر کا دروازہ ہے۔ میں نے وہ دروازہ دیکھ لیا اور اس گلی کو اچھی طرح یاد کرلیا۔ وہ بندہ آگے چلا گیا اور میں بھی اس کے ساتھ آگے چلا گیا۔

جب میں اپنے کمرے میں پہنچا تو سوچتا رہا کہ میں نے امام احمد بن حنبل کا گھر تو دیکھ لیا ہے، لیکن اب میں ان سے علم کیسے حاصل کروں گا؟ ساری رات سوچتا رہا، ترکیب بناتا رہا، مگر میرے ذہن میں کوئی خیال نہیں آتا تھا۔

اگلے دن میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی۔ میں نے پھٹے ہوئے کپڑے پہنے، تاکہ دیکھنے سے میں لوگوں کو ایک سوالی اور گداگر نظر آؤں۔ میں نے اپنے ایک ہاتھ میں ایک برتن بھی لے لیا، جیسے کسی سائل کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور باہر نکل کر میں نے ایک لکڑی بھی ہاتھ میں پکڑ لی اور اپنے گھٹنے کو بھی کپڑے سے باندھ لیا، جیسے کوئی زخم ہوتا ہے، تاکہ دیکھنے سے بھی پتا چلے کہ یہ بندہ کوئی گداگر ہے جو مانگ رہا ہے۔ پھر میں نے اونچی آواز سے کہنا شروع کردیا: ''اَلْاَجْرُ (رَحِمَكَ اللّٰهُ)''......اس زمانے میں جو گداگر ہوتے تھے، وہ روٹی کا سوال نہیں کرتے تھے، بلکہ صرف اتنا کہتے تھے: ''اَلْاَجْرُ (رَحِمَكَ اللّٰهُ)''، ''تمہیں اللہ اجر دے گا۔'' لوگ سمجھ لیتے تھے کہ یہ محتاج ہے، فقیر ہے، اس کو کسی چیز کی ضرورت ہے، لہٰذا وہ اسے کچھ دے دیا کرتے تھے...... اب لوگ میری طرف دیکھتے اور بعض لوگ حیران ہوجاتے تھے کیونکہ میں چہرے سے نوجوان نظر آتا تھا، لیکن حالت میری ایسی تھی کہ کپڑے بھی پھٹے ہوئے تھے اور میرے ہاتھ میں کشکول بھی تھا۔ میں سائل نظر آتا تھا تو کوئی بندہ دیتا اور کوئی نہ دیتا تھا۔ میں شہر کے اندر سارا دن بھیک مانگتا رہا، تاکہ لوگوں کو یہ تعارف ہوجائے کہ یہ کوئی بھیک مانگنے والا گداگر ہے۔ کہتے ہیں: جب عصر کا وقت ہوا تو بھیک مانگتے مانگتے مَیں امام احمد بن حنبل کے دروازے پہ جا پہنچا اور وہاں جا کے مَیں نے زور سے صدا لگائی:

''اَلْاَجْرُ (رَحِمَكَ اللّٰهُ)''، ''اَلْاَجْرُ (رَحِمَكَ اللّٰهُ)'' میری آواز میں اتنا درداور سوز تھا کہ امام صاحب نے گھر میں بیٹھے بیٹھے میری آواز سنی تو وہ باہر نکلے بغیر رہ نہ سکے۔ چنانچہ انہوں نے دروازہ کھولا تو ان کے ہاتھ میں کچھ سکے تھے جو وہ سائل سمجھ کے مجھے دینا چاہتے تھے۔ انہوں نے ہاتھ باہر کیا اور کہا: اے سائل! تم یہ پیسے لے لو۔ اس وقت میں نے ان سے کہا: امام صاحب! میں مال کا سائل نہیں ہوں، میں تو علم حاصل کرنے والا سائل ہوں اور آپ سے علم حاصل کرنے کے لیے آیا ہوں۔ امام صاحب نے کہا: میں تو تجھے نہیں پڑھا سکتا، حاکم وقت مجھے بھی سزا دے گا اور تجھے بھی سزا دے گا۔ میں نے کہا: حضرت! میں سارا دن شہر کے اندر اسی طرح بھیک مانگتا پھروں گا اور عصر کے وقت جب لوگ کم ہوتے ہیں، چلن پھرن کم ہوتی ہے تو میں آپ کے گھر کے دروازے پہ آ کے صدا لگاؤں گا، آپ دروازہ کھول دیا کرنا، ہاتھ میں یہ پیسے رکھنا۔ اگر کوئی اور بندہ قریب ہو تو میرے کشکول میں پیسے ڈال دینا، میں ویسے ہی چلا جاؤں گا اور اگر کوئی بندہ قریب نہ ہو تو آپ مجھے ایک دو احادیث پڑھا دیا کرنا، میں سن کے ان کو یاد کر لیا کروں گا اور اس طرح مجھے آپ سے علم حاصل کرنے کی سعادت نصیب ہو جائے گی۔ اس پہ امام صاحب راضی ہو گئے۔

وہ کہتے ہیں: میں پورا ایک سال روزانہ لوگوں کو دکھانے کے لیے پورے شہر کے اندر بھیک مانگتا تھا، لوگوں کے سامنے ذلت اُٹھاتا تھا اور عصر کے وقت امام احمد بن حنبل کے دروازے کے پاس پہنچ کر ''اَلْاَجْرُ (رَحِمَكَ اللّٰهُ)'' کی صدا لگاتا تھا۔ امام صاحب دروازہ کھولتے اور اکثر و بیشتر کوئی بندہ قریب نہیں ہوتا تھا۔ لہٰذا امام صاحب دو تین احادیث مجھے سنا دیا کرتے تھے اور میں ایک ہی دفعہ سن کے ان کو یاد کر لیا کرتا تھا۔ پورا سال میں نے اس بہانے سے امام احمد بن حنبل سے حدیث کا سبق پڑھا۔

ایک سال کے بعد حاکم وقت فوت ہوگیا، جو نیا حاکم بنا وہ امام احمد بن حنبل کے ساتھ محبت کرتا تھا اور ان سے عقیدت رکھتا تھا۔ بالآخر اس نے نظر بندی ختم کردی اور امام صاحب کا جامع مسجد میں درس شروع ہوگیا۔ وہ کہتے ہیں: جب پہلا دن تھا، لاکھوں لوگ درس سننے کے لیے آئے تھے۔ میں بھی مسجد میں گیا تو مجھے تو بیٹھنے کی جگہ نہیں مل رہی تھی۔ بہر حال میں آگے ہوتا ہوتا ایسی جگہ پر پہنچا جو امام صاحب سے دور تھی۔ جب امام صاحب کی نظر مجھ پہ پڑی تو امام صاحب نے کہا: لوگو! راستہ دے دو، علم کا اصل سائل تو یہ ہے، یہ اصل طالب علم ہے۔ پورا ایک سال بھکاری بن کر یہ مجھ سے علم حاصل کرتا رہا۔ اب اس کو مجھ سے دور نہ رہنے دو، قریب آنے دو۔ تاکہ یہ حدیث کا علم مجھ سے حاصل کرے۔ چنانچہ میں امام صاحب کے قریب جا کر بیٹھا اور میں نے امام صاحب سے مزید احادیث کا علم ایک شاگرد بن کر حاصل کیا۔

[سیر اعلام النبلاء للذہبی: ۲۵/۲۹۵]

آپ اندازہ لگائیے کہ دنیا میں ایسے طالب علم بھی گزرے ہیں، جو سائل بن کر پورے شہر کے اندر ذلت اُٹھاتے تھے اور اپنے استاد سے علم حاصل کیا کرتے تھے۔

علمِ دین پڑھنے والے خوش نصیب طلبہ کا مقام:

قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ پوچھیں گے: اے علماء کی جماعت! تم نے علم کیسے حاصل کیا تھا؟ وہاں پر اصحابِ صفہ بھی کھڑے ہوں گے، وہ کہیں گے: اے اللہ! ہمیں تو کھانے کو کچھ بھی نہیں ملتا تھا، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہیں گے: یا اللہ! مجھے بھوک کی وجہ سے غش آجاتا تھا، میں گر جایا کرتا تھا اور لوگ سمجھتے تھے کہ میں مرگی کا مریض ہوں۔ اس دن امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے حضرات جنہوں نے علم حاصل کرنے کے لیے قربانیاں دیں، وہ

بھی کھڑے ہوں گے۔ ایسے وقت میں بقی ابن مخلد رحمۃ اللہ علیہ بھی کھڑے ہوں گے اور کہیں گے: اے اللہ! میں بھکاری بَن کے سارے شہر کے سامنے ذلت اُٹھاتا تھا اور شام کے وقت دو تین احادیث امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھا کرتا تھا۔ میں نے اس طرح سے علم حاصل کیا۔

عزیز طلبہ! آپ اس وقت اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے اور کہیں گے: یا اللہ! ہم بھی اپنے طور پر کوششیں کرتے تھے۔ جو وقت ہمیں خالی ملتا تھا، استادوں سے رجوع کیا کرتے تھے اور ان سے پڑھا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے اس پڑھنے کو قبول فرمائے۔ یقیناً آپ خوش نصیب ہیں۔

ذرا اس بات کو غور سے سنیئے گا: اللہ نے ہر بندے کے سامنے آج کچھ نہ کچھ رکھ دیا ہے، کسی کے سامنے اللہ نے پتھر اور اینٹ کو رکھ دیا ہے، وہ اینٹ کو اینٹ سے جوڑتا رہتا ہے۔ ہم اسے Builder (بلڈنگ بنانے والا) کہتے ہیں اسی پر اس کا گزارا ہے۔ اس کا سارا دن اسی میں گزر جاتا ہے۔ کسی کے سامنے اللہ نے کپڑے کو رکھ دیا، وہ کپڑے کو کاٹتا ہے، پھر کپڑے کو جوڑتا ہے۔ ہم اسے درزی کہتے ہیں۔ یہ درزی ہے اور اسی میں اس کی زندگی گزر جاتی ہے۔ کسی کے سامنے اللہ نے لکڑی کو رکھ دیا، وہ لکڑی کو کوکاٹتا ہے، جوڑتا ہے اور فرنیچر بناتا ہے۔ اس کو ہم Carpenter (بڑھئی) کہتے ہیں۔ کسی کے سامنے اللہ نے لوہے کو رکھ دیا، یہ بندہ لوہے کے پُرزوں کو کھولتا ہے اور ان کو جوڑتا ہے۔ ہم اس کو Machenic (مکینک) کہتے ہیں۔ اس کی پوری زندگی اسی میں گزرتی ہے۔ کتنی عجیب بات ہے کہ کسی کے سامنے اللہ نے اینٹ رکھ دی، کسی کے سامنے کپڑا رکھ دیا، کسی کے سامنے لوہا رکھ دیا، کسی کے سامنے لکڑی کو رکھ دیا۔ عزیز طلبہ! آپ وہ

خوش نصیب لوگ ہیں کہ اللہ نے آپ کی جھولی میں قرآن رکھ دیا ہے، نبی علیہ السلام کا فرمان رکھ دیا ہے۔ آپ کتنے خوش نصیب ہیں، قیامت کے دن آپ اللہ سے کہہ سکیں گے: اللہ! ہم سارا دن قرآن پڑھتے تھے، حدیث پڑھتے تھے اور اس علم کو حاصل کرنے میں ہم نے پوری زندگی گزار دی تھی۔ قیامت کے دن آپ اللہ کو جواب دیتے ہوئے کہیں گے: یا اللہ!

؎ تیرے کعبے کو جبینوں سے بسایا ہم نے
تیرے قرآن کو سینوں سے لگایا ہم نے

اے اللہ! تیرے قرآن کو سینوں سے لگا کے ہم گھروں سے نکل کر مدارس میں جاتے تھے اور وہاں علم حاصل کیا کرتے تھے۔ اے اللہ! ہم نے تو پوری زندگی اس علم کے حاصل کرنے میں گزاری۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن آپ پر اپنی رحمت کی نظر ڈالیں گے۔ حضرت مولانا یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ طلبہ کے سامنے یہ حدیث پڑھا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جب اپنے بندوں کا فیصلہ کرنے کے لیے اپنی کرسی پر جلوہ افروز ہوں گے تو علماء سے فرمائیں گے:

((إِنِّي لَمْ أَجْعَلْ عِلْمِي وَحِلْمِي فِيكُمْ إِلَّا وَأَنَا أُرِيدُ أَنْ أَغْفِرَ لَكُمْ عَلَى مَا كَانَ فِيكُمْ وَلَا أُبَالِي.)) [المعجم الکبیر للطبرانی، حدیث: ۱۳۸۱]

”میں نے تمہارے دلوں میں اپنا علم اور حلم اس لیے ودیعت کیا ہے، تاکہ تمہاری مغفرت کروں اور مجھے اس کی کوئی پروا نہیں۔“

اے علماء کی جماعت! میں نے تمہارے سینوں کے اندر علم اس لیے نہیں بھرا تھا کہ آج میں ساری مخلوق کے سامنے تمہیں رُسوا کروں۔ جاؤ! تمہارا حساب لیتے

ہوئے مجھے شرم آتی ہے، بلا حساب جنت کے اندر داخل ہو جاؤ۔ ان شاء اللہ! وہ ایسا دن ہوگا جب طلبہ و علماء بلا حساب جنت میں جائیں گے۔ اللہ کی رحمت کی نظر ہوگی اور اللہ تعالیٰ اس دن ہمیں رُسوا ہونے سے محفوظ فرمائیں گے۔ اور ہم بھی اللہ کی بارگاہ میں عرض کریں گے:

؎ تیرے محبوب کی یارب! شباہت لے کے آیا ہوں
حقیقت اس کو تُو کر دے میں صورت لے کے آیا ہوں

اللہ تعالیٰ ہماری صورتوں کو قبول فرما کر اسی پر ہمیں قیامت کے دن سرخرو فرما دے اور ہمیں ایک مثالی شاگرد بن کر زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

خواتین کی انتظامی تربیت کے لیے بے مثال کتاب

امورِ خانہ داری میں حسنِ انتظام

اگر آپ......

- اپنی صحت کے بارے میں فکرمند رہتی ہیں
- وقت کی کمی پرشاکی رہتی ہیں
- اپنے غصے پر قابو نہیں پاسکتیں
- پرسکون نیند نہیں پوری نہیں کرپاتیں
- گھر کے کاموں کو اٹکائے اور لٹکائے رکھتی ہیں
- اپنے مہمانوں کو صحیح ڈیل نہیں کرپاتیں
- اپنی رشتہ داریاں نبھا نہیں پاتیں

تو پھر ضرورت ہے آپ کو
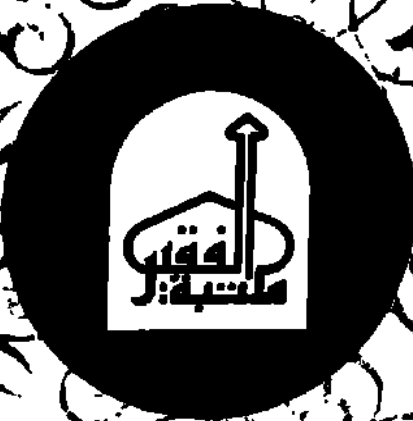
مثالی مرد

یہ کتاب آپ کو بہترین راہنمائی مہیا کر سکتی ہے کہ آپ

ایک مثالی طالب علم کیسے بن سکتے ہیں؟

ایک مثالی بیٹا کیسے بن سکتے ہیں؟

ایک مثالی بھائی کیسے بن سکتے ہیں؟

ایک مثالی باپ کیسے بن سکتے ہیں؟

ایک مثالی خاوند کیسے بن سکتے ہیں؟

اور

ایک مثالی سسر کیسے بن سکتے ہیں؟

مکتبۃ الفقیر
223 سنت پورہ فیصل آباد
+92-041-2618003